چہروں کے آئینے
نایاب جیلانی

Digest
Novels
Lovers
Group ❤❤

چہروں کے آئینے

''شاہ سائیں کی بیٹھک میں بڑی حویلی والے آئے ہیں''

''پشمینہ پھولوں کی باڑ پھلانگتی ہوئی تیزی سے داخلی دروازے سے اندر آکر باقاعدہ اعلان کی صورت میں بولی تھی۔ جہاں اماں فیضہ نے چونک کر پشمینہ کی طرف دیکھا تھا، وہیں مہرماہ کے ہاتھ سے کتاب گر پڑی۔

پشمینہ اسی پُرجوش انداز میں باقی خواتین کو بتانے کے لیے دوسرے صحن کی طرف بڑھ گئی۔ یکایک حویلی کے اندرونی حصے میں ہلچل سی مچ گئی۔ حویلی کی معزز عورتیں دوپٹے درست کرتی کچن میں گھس گئیں۔ ملازمین ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ آج معمول سے ہٹ کر کچھ ہونے والا تھا۔ ہمیشہ خاموش رہنے والی بے حد سنجیدہ سی اماں فیضہ بول رہی تھیں۔

ان کی آواز میں پوشیدہ خوشی اور بے انتہا مسرت محسوس کر کے حویلی کے درودیوار جھوم اٹھے۔ ہر کوئی سرشار تھا۔ باورچی خانے سے پشمینہ، رضوانہ اور وسائی کی دبی دبی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ مرجان بی بی کے تاثرات مختلف تھے۔ وہ ابھی تک شاک کی کیفیت میں گم صم بیٹھی تھیں۔ اماں فیضہ کے سجدے طویل ہو گئے تھے وہ اللہ کے حضور جھکی شکرانے کے نوافل ادا کر رہی تھیں۔

آج برسوں کی ریاضت کا صلہ مل گیا تھا۔

آج آبلہ پائی کا سفر تمام ہوا تھا۔

برسوں بعد میکے سے ملنے کا سندیسہ آیا تھا۔

آج ان کے بھائی کے بیٹے صبہیر کی قتل گاہ پر کھڑے تھے اور دعا مغفرت مانگ رہے تھے جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر ہر طرف پھیل گئی تھی سننے والے حیران بھی تھے اور خوش بھی۔ کئی

برس بیت گئے تھے بڑی حویلی سے کبھی کوئی حاضری دینے نہیں آیا تھا حتیٰ کہ زینب کی قبر پر دیا جلانے بھی کوئی نہیں آتا تھا، درگاہ کے صحن میں درخت کی چھاؤں میں بنی قبر پر پھر بھی ایک چراغ جلتا رہتا تھا۔ آج تک کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی کہ اس چراغ کو روشن کون کرتا ہے۔

اسی درگاہ کے احاطے میں میرام شاہ کے والد اردشیر شاہ کی تربت بھی تھی۔ جو اتنا قوی تھا، اسی قدر بہادر تھا کہ جب جب چلتا زمین لرزلرز اٹھتی۔ بولتا گویا ہر شے پر سحر طاری ہو جاتا۔ آج وہ مردمنوں مٹی تلے پرسکون نیند سو رہا تھا۔ اسے صہیر کے قتل کے جرم میں قتل کر دیا گیا تھا۔

اور اردشیر شاہ کے قاتل کو تو سب ہی جانتے تھے۔

اماں فیضہ کے اکلوتے ماں جائے کو قتل کرنے والا اسی حویلی کا مکین تھا۔ جسے مہند عباس کے نام سے سب جانتے تھے، جو شاہ سائیں کا اکلوتا داماد تھا۔ ان کی عزیز از جان بیوی ثریا جہاں کا سگا بھانجا اور ان کی پیاری بیٹی ثمر جہاں کا محبوب شوہر۔ مہر ماہ اور مومن کا باپ۔

حویلی میں آج جشن کا سماں تھا۔ ہر کوئی وجہ جاننے کو بے تاب تھا کہ یہ کایہ پلٹ ہوئی کیسے۔ دو خون کے پیاسے خاندان ایک جگہ اکٹھے کیسے ہو گئے؟ آخر پہل کی کس نے؟

اماں فیضہ کے سرخ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرے پر پھیلا کرب نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا وہ ہر مبارک دینے والے کے ہاتھ میں چند سرخ نوٹ دبا دیتیں۔

صبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ گھروں کو روانہ ہونے لگے تھے۔ سب خواتین دن بھر کام کاج اور مہمانوں کی خاطر تواضع کی وجہ سے تھک چکی تھیں اسی لیے سرشام ہی آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئیں۔ مگر حویلی میں دو نفوس ایسے تھے جن کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ایک کی نگاہ میں رنگ، خوشی اور مسرت کے دیے ٹمٹما رہے تھے ایک کی آنکھ میں کرب، اذیت اور بے چینی آنسو بن کر بہہ رہی تھی۔ اک نامعلوم اضطراب اسے گھیرے میں لے چکا تھا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا، ہر سو گہری ہولناک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور مہر ماہ کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ کالی رات اسے ضرور نگل لے گی۔ یہ کیسا خوف تھا جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

کل اس کا ٹیسٹ تھا اور وہ ایک لفظ بھی پڑھ نہیں پائی تھی۔ اس کی سوچیں بھٹک بھٹک کر بڑی حویلی کے در و دیوار سے جا ٹکراتیں اور خوف کی اک تیز لہر جسم میں انگڑائی لے کر جاگ اٹھتی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب میز پر رکھی اور جوتے پہن کر باہر نکل آئی۔ شال کو

اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر اس نے گول کمرے کا رخ کیا تھا۔ اس کمرے کے بائیں جانب پشمینہ کا کمرہ تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی دروازے تک آئی۔ آہستہ سے ہینڈل گھما کر اس نے اندر جھانکا پشمینہ پلنگ پر نیم دراز کارڈلیس کان سے لگائے باتوں میں مصروف تھی۔ مہر ماہ جانتی تھی کہ فون کس کا ہے۔

پشمینہ نے اسے اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ چپ چاپ پلنگ پر بیٹھ کر میگزین دیکھنے لگی۔ اور غیر ارادتاً اپنے اکلوتے بھائی مومن کے بارے میں سوچنے لگی۔ پچھلے سال مومن اور بابا جان کی زبردست جھڑپ ہوئی تھی، جس کے نتیجے میں مومن اس سال کی چھٹیاں گزارنے پاکستان نہیں آیا تھا۔ اس کے اور بابا جان کے درمیان بہت سے اختلافات تھے۔ ان کا پہلا جھگڑا آج سے پانچ سال پہلے کس بات پر ہوا تھا۔ مہر ماہ کو ایک ایک بات ابھی تک یاد تھی۔

بڑی حویلی سے مہر ماہ کے لیے پیغام آیا تھا۔ گھر کے در و دیوار اس جرأت پر گویا لرز اٹھے۔

''ایسا بھلا کیسے ممکن ہو سکتا ہے صہیر کے قاتلوں کے خاندان میں بیٹی دینا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں'' سب سے پہلا دھچکا مرجان بی بی کو لگا تھا۔ وہ مومن اور مہر ماہ کی سوتیلی والدہ کے عہدے پر فائز تھیں۔ شاہ سائیں کی بھانجی تھیں اور ان کی اماں کی وفات کے بعد شاہ سائیں نے بابا جان کا نکاح مرجان بی بی سے کر دیا تھا۔ بابا جان کی مرجان بی بی سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لیے شاید مومن اکلوتی اولاد نرینہ ہونے کا فائدہ اٹھاتا تھا۔ بابا جان اکثر اس کے سامنے خاموشی اختیار کر لیتے تھے۔ مگر بڑی حویلی والوں کی اس جرأت پر بابا جان کا ازلی جلال عود کر آیا تھا۔ اماں فیضہ اور مومن اس پیام میں پوشیدہ صلح کے پیام کے متن کو جانتے تھے مگر بابا جان نے پہلی مرتبہ شاہ سائیں سے تلخ کلامی کی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ برسوں پرانی دشمنی کا خاتمہ ہو اور پھر رشتے داری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

''آپ شاہ سائیں سے بات کریں۔ ہمیں بڑی حویلی والوں سے رشتہ داری نہیں گانٹھنی، پرانے رشتے نبھالیں یہی بہت ہے۔ بھابھی فیضہ ایسی سبز قدم ثابت ہوئی ہیں اس گھر کے لیے کہ آتے ساتھ ہی پہلے شوہر کو نگلا پھر اس بدبخت ام زینب صہیر کا رشتہ کیا جوڑا وہ بھی اس دنیا سے پردہ پوش ہو گیا۔ دونوں بہنیں ہی منحوس ہیں۔ اس گھر کے دونوں وارثوں کو نگل گئیں۔ میں اس منحوس خاندان میں مہر ماہ کو بیاہنے نہیں دوں گی اور پھر مجھے تو یہ آغا سائیں کی کوئی چال معلوم ہوتی ہے اگر انہیں بڑے بھائی سے صلح کرنی ہے تو شاہ سائیں کی دونوں پوتیوں پشمینہ یا

لغونہ میں سے کسی کا رشتہ مانگتے۔ انہوں نے شاہ سائیں کی نواسی کا رشتہ اس لیے مانگا ہے کہ وہ آپ کی بیٹی ہے۔ وہ لوگ انتقاماً رشتہ داری کررہے ہیں اردشیر شاہ کا بدلہ لینے کے لیے''

مرجان بی بی بہت ٹھہر ٹھہر کر بابا جان کو ہر طریقے سے قائل کرچکی تھیں۔ بات تو سچ تھی۔ پشمینہ اور لغونہ آغا سائیں کی نواسیاں تھیں۔ پہلا حق ان کا تھا۔

بات بابا جان کی سمجھ میں آچکی تھی اس لیے انہوں نے اس پیغام کو مسترد کردیا تھا۔

بڑی حویلی والوں نے اس انکار کو اپنی توہین سمجھا تھا اور یوں پہلی مرتبہ اتنے سالوں بعد کسی نے اردشیر شاہ کے ولی عہد میرام شاہ کو دیکھا تھا۔ بہت سالوں بعد بڑی حویلی کے کسی فرد نے شاہ سائیں کی بیٹھک کی چوکھٹ بڑے جلال کے عالم میں عبور کی تھی۔ آنے والے کے تیور بڑے غضب ناک تھے۔ حویلی میں شاہ سائیں اور بابا جان موجود نہیں تھے...... بی بی کو خبر ہوئی تو آگ بگولا سی لپکتی ہوئی مردانے کی طرف بڑھ گئیں۔

''اچھا تو تم ہو اردشیر شاہ کے لختِ جگر۔ بڑا چرچا سن رکھا تھا تمہارا۔ آج دیکھنے کی سعادت بھی حاصل ہوگئی ہے۔ بولو کیا کرنے آئے ہو؟'' مرجان بی بی نے تیوری چڑھا کر بڑے کرخت لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''اپنے خاندان کی معزز خواتین سے بدکلامی کرنا مجھے پسند نہیں۔ آپ مومن یا پھر اپنے سرتاجِ محترم کو ادھر بھیجیے، میں ان ہی سے بات کرنے آیا ہوں''

اس نے بہت مضبوط مگر مہذب لہجے میں جواب دے کر قدرے رخ موڑ لیا تھا۔

مرجان بی بی نے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ سفید شلوار قمیض میں اس کا مضبوط کڑیل جسم کسی فولادی چٹان کی مانند لگ رہا تھا۔ اس کے چوڑے شانوں پر سفید رنگ کا ہی صافہ رکھا تھا۔ فراخ پیشانی پر دو سلوٹیں اور آنکھوں میں کچھ کچھ ناگواری در آئی تھی۔ یعنی اسے مردانے میں حویلی کی خاتون کا آنا پسند نہیں آیا تھا۔

''جو تم چاہتے ہو، وہ قیامت تک نہ ہوگا'' مرجان بی بی نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''جو میں چاہتا ہوں اور جس کام کا میں ارادہ کرتا ہوں، اسے بیچ میں چھوڑنا میرام اردشیر کا شیوہ نہیں۔ اس طوفان کو دعوت مت دیں، جسے میں نے روک رکھا ہے'' اس کے ٹھہرے لہجے میں بڑی مضبوطی اور بے ساختگی تھی۔

مرجان بی بی سلگنے لگیں۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''امن اور صلح'' اس نے دو لفظوں میں بات سمیٹی تھی۔

''اتنا احمق سمجھ رکھا ہے تم نے ہمیں۔ تم لوگوں کی مکاری سے ہم واقف ہیں۔ صلح کے بہانے تم صرف اور صرف مہمند کے سر کو اپنے سامنے ہمیشہ کے لیے جھکانا چاہتے ہو'' مرجان بی بی کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگی تھیں۔ میرام کے ہونٹوں پر بے نام سی مسکراہٹ چمکنے لگی۔

''یہ محض آپ کا خیال ہے'' وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ''محض آپ کی سطحی سوچ کا کمال ہے۔ اتنی بدگمانی اچھی نہیں'' مگر وہ اس کے برعکس بولا تھا۔ کسی بھی قسم کی بدمزگی پھیلانا اور پھر مہمند عباس کی دوسری بیوی سے تلخ کلامی کرکے وہ بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

''بہرحال جو منصوبہ تم نے بنایا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا'' انہوں نے تلخی سے کہا۔

''ابھی منصوبہ بنایا ہی کب ہے۔ پلاننگ تو میں اب کروں گا۔ کیونکہ یہ معاملہ خاصہ ٹیڑھا ہے اور اس کے لیے خود کو بھی ٹیڑھا کرنا پڑے گا مجھے'' وہ دھیمے سے مسکراتا ہوا پلٹ گیا تھا۔

مرجان بی بی غصے سے بھناتی رہ گئیں۔

☆☆☆

پشمینہ ڈیڑھ گھنٹہ فون پر مصروف رہی تھی اور مہر ماہ سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھ گئی۔ وقت کی کچھ تلخ باتیں کچھ یادیں ذہن میں تازہ کررہی تھی۔ مومن نجانے کون سا قصہ چھیڑ بیٹھا تھا۔ پشمینہ ہونٹوں پر دبی دبی مسکان لیے مسلسل بول رہی تھی۔

''یہ محبت کے سلسلے بھی بہت عجیب ہیں'' مہر ماہ نے چپکے سے آنکھ میں اترنے والی نمی کو آہستگی سے پونچھا۔ اب وہ ایک مرتبہ پھر پشمینہ کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس نے فون کان سے ہٹایا پھر مومن کو نجانے کیا کہا تھا کہ دوسری طرف سے جلد ہی خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا گیا تھا۔

پشمینہ بازوؤں میں کشن دبوچے اس کے قریب آبیٹھی۔

''ابھی تک سوئیں نہیں تم'' پشمینہ نے اس کے ہاتھ سے میگزین پکڑ کر بند کردیا تھا۔ پھر نرمی سے اس کے گال میں چٹکی بھر کر بولی'' کچھ پوچھ رہی ہوں میں مہرو! کیا گزر چکی ہو؟''

''کاش گزر ہی جاتی'' مہر ماہ نے ٹھنڈی آہ بھری تھی، پھر نظر اٹھا کر پشمینہ کی طرف دیکھنے لگی۔ کتنے رشتے بنتے تھے اس کے پشمینہ کے ساتھ وہ اس کی ماموں زاد بہن بھی تھی۔ دوست بھی اور ہونے والی بھابھی بھی۔

"یہ مراقبہ کس خوشی میں؟" وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر بولی" مہرو! اتنی چپ چاپ کیوں ہو؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟" پشمینہ نے کچھ پریشانی کے عالم میں اس کے بازو کو جھنجوڑا۔

"نائلہ....." وہ زیر لب بڑبڑائی۔ پھر ایسی نگاہوں سے پشمینہ کی طرف دیکھنے لگی تھی جیسے کہہ رہی ہو" کیا تم نہیں جانتیں"

"مہرو! خود کو سنبھالو......مضبوط بنو" پشمینہ اس کی شفاف آنکھوں میں پھیلی نمی دیکھ کر پشیمان ہوگئی۔

"آج اماں بہت خوش تھیں ان کی ایک مسکراہٹ پر ہزار زندگیاں قربان۔ میری ماں کے صبر اور حوصلے کو دیکھ کر پہاڑوں کے سینے شق ہو جائیں۔ انہیں اردشیر ماما اور زینب خالہ کا آخری دیدار بھی نہیں کرنے دیا گیا تھا۔ نانی جان کی وفات ہوئی تب دادی جان زندہ تھیں، انہوں نے تب بھی اماں کو جتا دیا تھا کہ اگر وہ بڑی حویلی جانا چاہتی ہیں تو پھر واپس آنے کی کوئی ضرورت نہیں اور میری ماں سارے صدمے دل پر جھیل کر خاموش ہوگئی تھیں، پھر کبھی ان کے لبوں پر میکے کا ذکر نہیں آیا اور اب تو بات ہی دوسری ہے اردشیر ماما کے قتل کا فیصلہ پنچائیت نے کیا تھا اور اس وقت سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ خون بہا میں بابا جان خود تمہارا نام لے چکے تھے۔ پنچائیت نے اس فیصلے پر مہر لگا دی تھی۔ اب وعدہ ایفا کرنے کا وقت آچکا ہے۔ تم اس فیصلے سے ناواقف نہیں ہو۔ شعور کی لگام تھامتے ہی تمہیں آگہی دے دی گئی تھی، پھر اس ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار کیوں ہو رہی ہو۔ ایک بات بہن سمجھ کر بتا رہی ہوں۔ میرے ننھیال والے کوئی ظالم جلاد نہیں ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے سب جھوٹ پر مبنی ہے۔ میرے لالہ جیسا تو ہمارے خاندان میں کوئی نہیں ہے"

وہ اپنے ننھیال والوں کی فطری محبت سے مغلوب کہہ رہی تھی نجانے اسے لمحہ بھر میں کیا ہوا تھا وہ تیزی سے اٹھی اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پشمینہ بھی سرعت سے اس کے پیچھے آئی تھی۔

"مہرو! یہ کیا پاگل پن ہے" پشمینہ نے اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کو اپنی ہتھیلیوں سے پونچھا۔

"مجھے سولی پر چڑھانے کے فیصلے کیے جا رہے ہیں اور افسوس اس بات کا ہے کہ میرے سگے بھائی اور ہونے والی بھابھی کو یہ فیصلہ دل و جان سے قبول ہے"

وہ بدگمانی کی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔

کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ خون بہا میں بیاہی جانے والی بیٹیاں جوتی کی نوک پر رہتی ہیں۔ تمام عمر ان کی اپنے مقام اور حیثیت کے تعین میں گزر جاتی ہے۔ نہ ان کے حصے میں عزت آتی ہے نہ محبت۔ عمر بھر اپنا مقام بنانے کی چاہ میں چاندی بالوں میں سجا لینے والی روایتوں کی زنجیر میں جکڑی مجبور و بے بس بیٹیاں۔ کبھی باپ کو بچانے کے لیے ڈھال بنتی ہیں اور کبھی بھائی کو۔ شوہر کی رضا اور خوشی کی خاطر خود کو فنا کرنے والی اس بات سے قطعاً ناواقف کہ شوہر کے دل میں تو نہیں البتہ اس کے بستر پر ضرور جگہ مل جاتی ہے۔ مجرم کوئی اور ہوتا ہے، عذاب کسی اور پر اترتے ہیں۔

"تم اس قدر بدگمان کیوں ہو رہی ہو؟" پشمینہ نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر جھنجوڑا۔

"مجھے مستقبل کے اندیشے خوف زدہ کرتے ہیں"

"تمہیں شاہ سائیں پر بھروسہ نہیں"

"مجھے نانا سائیں پر مکمل اعتماد ہے مگر خود پر نہیں، اپنی قسمت کا اعتبار نہیں" وہ بھیگی آواز میں بولی۔

"تم بلاوجہ خود کو اذیت دے رہی ہو" پشمینہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میرے کرب کا اندازہ نہیں تمہیں پشمینہ" اس کی آنکھ سے اک آنسو بے مول سا ہو کر گرا تھا۔

"مہرو! ایک بات تم دل سے نکال کیوں نہیں دیتیں۔ بڑی حویلی والے تمہیں خون بہا میں نہیں لے کر جا رہے وہ تو بہت دھوم دھام سے شادی کرنا چاہتے ہیں" اس نے مہر ماہ کا ہاتھ دبا کر نرمی سے کہا تھا وہ پشمینہ کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہوگئی۔

"مہرو! کہاں جا رہی ہو بیٹھو ادھر" پشمینہ نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے قریب بٹھایا

"تم سمجھتی کیوں نہیں مہرو! یہ رشتہ کسی پرانی دشمنی کے سلسلے میں نہیں بلکہ نفرتوں اور کدورتوں کو ختم کرنے کے لیے صرف اور صرف میرام لالہ کے کہنے پر استوار کیا جا رہا ہے"

"لغونہ تو آغا سائیں کی سگی نواسی ہے اور اگر ان کے پوتے کی دلہن بن جاتی تو اس میں حرج ہی کیا تھا" وہ چیخ کر رہ گئی۔

"میرام لالہ نے تمہارا نام لیا تھا" پشمینہ زچ ہو کر بولی۔

''ہاں صرف اور صرف اس لیے کہ میں مہمند عباس کی بیٹی ہوں۔ اس کے باپ کے قاتل کی بیٹی' اس نے میرا ہی نام لینا تھا۔ آخر میرے باپ کو جھکانا بھی تو ہے'' وہ پھنکاری۔

''اس کہر کے پیچھے کچھ صاف منظر بھی ہیں مگر تم کیوں دیکھو گی۔ تمہیں تو جو کچھ مرجان بی بی دکھائیں گی وہ ہی دیکھو گی ناں۔ خدا کے لیے ان کی آنکھوں سے دیکھنا چھوڑ دو مہرو'' پشمینہ نے جھنجلا کر اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''کوئی شخص میری حمایت میں بولتا ہے تو وہ تم لوگوں کو برا لگتا ہے'' اس نے خفگی سے کہتے ہوئے رخ موڑ لیا۔

''نجانے تمہاری موٹی عقل میں کوئی بات سماتی کیوں نہیں'' پشمینہ نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

''میں سب کی چالیں خوب اچھی طرح سمجھ چکی ہوں'' اس کی سوئی ایک جگہ اٹک چکی تھی، اب کہ پشمینہ نے کچھ ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''وہ ہی جو تم میں سے کوئی بھی سننا نہیں چاہتا'' مہر ماہ چبا چبا کر بولی۔

''صاف لفظوں میں بات کرو'' پشمینہ کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

''اس صلح کے نتیجے میں تم لوگوں کے لیے کم از کم ننھیال کے دروازے تو کھل ہی جائیں گے۔ اس کے بدلے میں چاہے کسی کی پوری زندگی داؤ پر لگ جائے''

''مہرو! تمہاری سوچ اس قدر پست ہے'' کافی دیر بعد پشمینہ کی صدمے میں ڈوبی آواز ابھری تھی ''تم ہمارے بارے میں اس طرح سے سوچتی ہو''

''میں نے حقیقت بیان کی ہے'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''میں اس لیے غصہ نہیں کر رہی ہوں کم از کم اس وقت جو تمہاری زبان چل رہی ہے وہ کسی اور کی ہے تم پر مرجان بی بی کا سایہ ہے۔ جب تک یہ سایہ ہٹے گا نا تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی'' پشمینہ نے تاسف سے کہا۔

''میں تو اس بات پر خوش ہوں کہ اس گھر میں کوئی تو ہے جو میرے بارے میں سوچتا ہے ورنہ یہاں تو سگے بھائی کو دو منٹ فون پر بات کرنے کی فرصت نہیں'' وہ کٹیلی آواز میں کہہ کر بال کھولنے کے بعد برش کرنے لگی تھی۔ پشمینہ بغور اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''تمہیں یہ پتا ہے کہ بھائی تم سے بات نہیں کرتا، یہ نہیں سوچا کہ کیا وجہ ہے؟ وہ کیوں

تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ حالانکہ اسے تم سے بہت محبت ہے''

''محبت اونہہ...... ہماری قسمت میں محبت کہاں'' مہر ماہ بے زاری سے بولی۔

''بدگمانی کا پردہ ہٹا کر دیکھو گی تو بہت سے محبت کرنے والے اور قدر کرنے والے لوگ نظر آئیں گے'' پشمینہ کی آواز میں تاسف تھا۔ وہ کچھ دیر مزید بیٹھی رہی پھر ٹھنڈی سانس لیتی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

شاہ عبدالوہاب اور آغا سبطین شاہ دونوں بھائی پہلے ایک ہی حویلی میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے والد پیر سبحان شاہ احمد آباد کے گدی نشین تھے۔ ان کے والد کی وفات کے بعد دستار شاہ عبدالوہاب کے سر پر رکھی گئی تھی مگر گدی کے وارث آغا سبطین چھوٹے ہونے کی وجہ سے ٹھہرائے گئے۔ ثریا جہاں کو یہ بٹوارا پسند نہیں آیا تھا۔ گھر میں اک سرد جنگ کا کیا آغاز ہوا، حویلیوں کے بٹوارے کی باتیں ہونے لگیں اور کچھ ہی عرصہ بعد ثریا جہاں کے مجبور کرنے پر شاہ عبدالوہاب اپنے والد کی حویلی چھوڑ کر دوسری حویلی میں شفٹ ہو گئے۔ یہ حویلی بڑی حویلی سے رقبے میں چھوٹی تھی، تاہم ثریا جہاں اپنی من مانی کرنے کے بعد بہت مسرور تھیں۔

شاہ عبدالوہاب کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی سب سے بڑی ثمر جہاں، صباد شاہ پھر صہیر تھے۔ ثریا جہاں کی ایک بیوہ بہن بھی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ جن کا انتقال ہو چکا تھا ان کا اکلوتا بیٹا مہمند، صہیر سے تین سال بڑا تھا کافی ذہن اور بے حد پڑھا کو ہونے کی وجہ سے شاہ عبدالوہاب اسے بہت پسند کرتے تھے مرجان ان کی رشتے میں بھانجی لگتی تھی وہ بھی کافی عرصے سے اسی حویلی میں مقیم تھی۔

آغا سبطین کا ایک بیٹا اردشیر شاہ اور دو بیٹیاں تھی۔ فیضہ اور زینب۔

ثمر جہاں کی بات اردشیر سے طے تھی لیکن اس نے یہ رشتہ توڑ کر اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مہمند نے پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا شاہ سائیں نے مہمند کی کامیابی کی خوشی میں بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا بہت عرصہ بعد اس دعوت میں صرف بھانجے کی خوشی کی خاطر ثریا جہاں نے آغا سبطین کی فیملی کو بھی انوائٹ کیا۔ ان کا بیٹا اردشیر اپنی بیوی اور دو بیٹوں میرام اور محب کے ہمراہ ابراڈ میں رہائش پذیر تھا۔ اس دعوت میں پہلی مرتبہ مہمند نے زینب کو دیکھا [illegible] اسیر ہو گیا۔ وہ اسے پہلی نظر میں ہی بہت اچھی اور اپنی

اپنی سی لگی تھی۔

ان ہی دنوں شاہ سائیں نے اپنے بیٹے صباد کے لیے اپنی بھتیجی فیضہ کو مانگ لیا تھا۔ اگر چہ ثریا جہاں ایسا ہرگز نہیں چاہتی تھیں مگر بہت سے معاملوں میں وہ بے اختیار تھیں۔ دونوں حویلیوں میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

مہند ان دنوں زمینوں پر مصروف ہو چکا تھا اس نے شاہ سائیں کی ساری ذمہ داریاں خود بخود اپنے کندھوں پر اٹھالی تھیں۔ صباد شاہ اپنی جاب کے سلسلے میں کراچی میں مقیم تھے، جبکہ صہیر تو بہت لاپرواہ تھا۔ کبھی موڈ ہوتا تو ڈیرے کا چکر لگا لیتا۔ زیادہ اس کا وقت بڑی حویلی میں گزرتا تھا شہر سے آنے کے بعد وہ سیدھا بڑی حویلی چلا جاتا۔ ثریا جہاں کو خبر ہوئی تو انہوں نے صہیر کے خوب لتے لیے اس جھاڑ جھپاڑ کا یہ اثر ہوا کہ پہلے وہ بتا کر جاتا تھا اب بغیر بتائے چلا جاتا۔ کافی عرصہ تک ثریا جہاں یہی سمجھتی رہی تھیں کہ صہیر نے اپنے چاچا کی حویلی میں جانا چھوڑ دیا ہے مگر ایک روز انہیں صہیر کے معمول کی خبر کسی اور ذرائع سے مل ہی گئی تھی وہ حسب معمول شہر سے سیدھا ادھر ہی گیا تھا واپسی پر جب گھر آیا تو ماں کے تیور دیکھ کر قدرے گڑ بڑا گیا۔ کالج میں اس کا آخری سال تھا۔ ان دنوں وہ چھٹیاں گزارنے گاؤں آیا ہوا تھا۔ مگر اب اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اماں چھٹیوں کی خوشی اور فراغت کے مزے کو کرکرا کر کے ہی رہیں گی۔

''کہاں سے آرہے ہو؟'' اماں جلال میں آچکی تھیں۔ صہیر نے گہری سانس کھینچی اور بولا۔

''اماں فیضہ سے ملنے چلا گیا تھا'' صہیر کو جھوٹ بولنا مناسب نہیں لگا تھا مگر یہ سچ اس کے گلے پڑنے والا تھا۔ اسے خبر ہوتی تو کچھ جھوٹ کی ملاوٹ کر لیتا۔

''بکواس مت کرو'' اماں نے آگ بگولا ہو کر اسے جھڑک دیا تھا وہ ایک دم لب بھینچ کر خاموش ہو گیا۔

''فیضہ کے بہانے کس کا دیدار کرنے جاتے ہو؟'' ان کا لہجہ چبھتا ہوا تھا صہیر اسی طرح لب بھینچے رخ موڑے کھڑا رہا۔

''احمق سمجھ رکھا ہے تم نے ہمیں۔ کیا میں جانتی نہیں کہ تم باپ بیٹا کون سی کھچڑی پکا رہے ہو، مگر ایک بات سن لو! بڑی حویلی سے فیضہ کے علاوہ کوئی اور لڑکی دولہن بن کر نہیں آئے گی۔ میں بمشکل اسے ہی قبول کرلوں یہی بہت ہے کجا کہ اس کی دوسری بہن ام زینب منحوس کے

لبوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

''اماں! آپ کس لہجے میں بات کر رہی ہیں'' صہیر نے ناگواری سے ٹوکنا چاہا اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ بات اس حد تک کھل جائے گی۔

''اپنی عمر دیکھو اور حرکتوں پر نظر کرو۔ عشق و عاشقی کے لیے بہتیرا وقت پڑا ہے ان بہنوں کو تو مردوں کو لبھانے کی عادت ماں سے وراثت میں ملی ہے'' انہوں نے ہاتھ نچا کر کہا تھا۔ یوں کہ کلائی میں پڑے موٹے موٹے کڑے بجنے لگے تھے۔

''اماں! کچھ کہنے سے پہلے یہ سوچ لیجیے کہ وہ ہماری عزت ہیں۔ ان کے بارے میں ایسی گھٹیا گفتگو آپ کو زیب نہیں دیتی'' صہیر کے لہجے میں ناگواری در آئی۔

''ماں کے بھی یہی لچھن تھے، اب بیٹیاں بھی ماں کے نقش قدم پر چل رہی ہیں'' وہ نفرت کی انتہا پر پہنچ چکی تھیں۔

''اماں'' صہیر کچھ سخت بولتے بولتے رُک گیا۔

''ہاں، بول کیا کہنا چاہتا ہے کون سی صفائی پیش کرے گا۔ میں خوب جانتی ہوں کہ ام زینب نے تم پر ڈورے ڈال رکھے ہیں اب ماں کی باتیں کسیلی ہی لگیں گی'' انہوں نے چبا چبا کر کہا۔

''محبت کرتا ہوں میں ام زینب سے اور شادی بھی اسی سے کروں گا۔ چاہے زمین اپنے مرکز سے ہٹ جائے۔ کوئی میرے ارادوں کو توڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا'' صہیر کے لہجے میں چٹانوں کی سختی تھی۔

''وہ اردشیر کی بہن ہے، جس نے تمہاری بہن کو ٹھکرا دیا تھا'' اماں کے لہجے میں پھنکار تھی۔

''فیضہ بھی اردشیر کی بہن ہیں'' اس نے جتا کر کہا۔

''وہ معاملہ دوسرا ہے''

''اونہہ، معاملہ یہی ہے بس شاہ سائیں کا فیصلہ بدلنے کی جرأت کسی میں نہیں۔ مگر یاد رکھیں ہمارے لیے جو بھی فیصلہ شاہ سائیں کریں گے، وہ ہمیں دل و جان سے منظور ہوگا''

اس نے بات کے اختتام پر ماں کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''مہند! کہاں جا رہے ہو؟'' باغ میں ٹہلتی ثمر نے راہداری سے گزرتے مہند کو باہر کی

طرف جاتے دیکھ کر روکا۔

''شہر......'' وہ مختصر بول کر قمیض کی جیب میں سے گاڑی کی چابیاں نکالنے لگا تھا۔ ثمر ایک ٹک اسے دیکھتی رہی اس کی شخصیت میں کچھ ایسا ضرور تھا جو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ جو چپکے چپکے اپنے اس خالہ زاد کے عشق میں مبتلا ہو چکی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ عمر میں اس سے کئی سال چھوٹا ہے۔ ذہین، ذمہ دار اور بہت ہی شاندار سا کس قدر اپنا اپنا اور دل کے قریب لگتا تھا۔ اس کی ہر رات مہمند کی یاد سے اور اس کے خیال سے آباد تھی۔ اور دل تو آباد ہی اس کی محبت کی خوشبو سے تھا۔ اس کا حصول مشکل بھی نہ تھا۔ بس اماں تک بات ہی تو پہنچانی تھی مگر فطری سی جھجک آڑے آجاتی...... شاہوں کی بیٹیاں اتنی بے باک تو ہرگز نہیں تھیں، جو اپنے منہ سے اظہار عشق کر لیتیں۔ مگر خوابوں پر تو کسی کا پہرہ نہیں تھا۔

''آپ کو کچھ منگوانا ہے شہر سے'' وہ مؤدب سا پوچھنے لگا۔

''ہاں......'' ثمر چونک کر سوچوں کو جھٹکتے ہوئے بولی۔

''مجھے لسٹ بنا کر دے دیں۔ واپسی پر لیتا آؤں گا'' اب وہ جھک کر گاڑی کے ٹائر چیک کر رہا تھا۔ ثمر نے لڑکی کو آواز دے کر بلایا۔

''دراز میں ایک ڈائری رکھی ہے۔ بھاگ کے اٹھالا''

کچھ دیر بعد ثمر نے ایک لسٹ مہمند کی طرف بڑھا دی۔

''آپ تو بہت سادگی میں رہتی ہیں۔ پھر یہ سب چیزیں کس کے لیے'' وہ غیر ارادی طور پر لسٹ پر نظر دوڑا کر پوچھنے لگا۔

''عید قریب آرہی ہے نا تو میں نے سوچا زینب کو کچھ گفٹس بھجوا دوں، فیضہ کو بھی میری طرح ایسی چیزوں کا شوق نہیں ہے مگر زینب کو بجنا سنورنا اچھا لگتا ہے۔ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے آغا سائیں کی بہت لاڈلی ہے ہمارے صبیر کی طرح'' ثمر نے ذرا مفصل جواب دیا تھا۔

وہ اسے اپنے پاس روکے رکھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ تو کسی اور کا اسیر تھا۔

''زینب فورتھ ایئر میں ہے؟'' وہ جان بوجھ کر سرسری سا پوچھنے لگا تا کہ ثمر کو شک نہ گزرے۔

''ہاں'' ثمر جہاں نے اثبات میں سر ہلایا تھا مزید بولی۔ ''زینب شاید آگے پڑھنا نہیں چاہ رہی''

''کیوں؟'' مہمند بے ارادہ ہی بول گیا۔

''وہ تو آغا سائیں کی خواہش پر بی اے کر رہی ہے، ورنہ اسے بھی فیضہ کی طرح پڑھنے کا کچھ خاص شوق نہیں ہے''

ثمر جانتی تھی کہ مہمند کو پڑھے لکھے ذہین لوگ بہت پسند ہیں۔ خود وہ بھی آٹھ جماعتوں سے آگے نہیں پڑھ سکی تھی۔

''ہاں، بات ساری لگن کی ہوتی ہے'' مہمند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ زینب تو اسے دل و جان سے قبول تھی، چاہے وہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہوتی۔ یہ محبت کے معاملے تھے، یہ جنون کے قصے تھے۔ یہ وہ چاہ تھی جو چپکے چپکے دل کو سلگا رہی تھی۔ کون جانے دلوں کے درد، کون جانے محبتوں کے دکھ۔ کون جانے جدائیوں کے خوف۔

''تمہاری واپسی کب ہوگی شہر سے؟'' ثمر نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر قدرے جھنجلا کر کہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا مہمند ذہنی طور پر کہیں اور ہے۔

''شام تک آجاؤں گا'' اس کے لہجے میں احترام کا رنگ واضح تھا اور ثمر جہاں تو احترام کے بجائے کچھ اور رنگوں کی خواہش مند تھی۔

''ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔ مجھے بڑی حویلی جانا ہے اور صبیر کو تو اماں وہاں جانے نہیں دیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں سہ پہر تین بجے تک آجاؤں گا'' اسے لگا من کی مراد بر آئی ہے۔ وہ اپنے چہرے پر بے ساختہ چمکتے والی خوشی کو چھپا کر سرعت سے آگے بڑھ گیا، جبکہ ثمر جہاں اس کی پشت کو نجانے کب تک دیکھتی رہی۔ اماں کو باغیچے میں آتا دیکھ کر وہ سنبھل گئی تھی۔

''سورج سوا نیزے پر پہنچ گیا ہے اور تجھے جون کی گرمی کھانے کا شوق کیوں چڑھ گیا ہے ثمر! چل اندر...... اے سی چلا کر بیٹھ، لو لگ گئی تو بستر کی ہو کر رہ جائے گی۔ ماں صدقے اندر چل''

ان دنوں اماں کو اس پر ٹوٹ کر پیار آرہا تھا۔ وہ بہت زیادہ ثمر کا خیال رکھنے لگی تھیں، وہ اپنے بھائیوں کی طرح بہت خوب صورت نہیں تھی۔

ثمر کو یاد تھا جب اردشیر نے بچپن کی منگنی کو ختم کیا تو سب سے زیادہ صبیر نے ٹینشن لی تھی۔ وہ کئی دن مضطرب سا پھرتا رہا۔ وہ ثمر کی گود میں سر رکھ کر روتا تھا۔ اردشیر نے اس کی بہن کو ٹھکرا دیا تھا۔ ان کی عزت کو دو کوڑی کا کر دیا۔ اس توہین نے صبیر کی روح زخمی کر دی تھی۔ پھر

آہستہ آہستہ وہ سنبھلنے لگا۔ مگر ثمر کی بڑھتی عمر اور آنکھ کی لکیریں جب واضح ہونے لگیں تو ایک مرتبہ پھر صبیر کو اپنے نقصان رہ رہ کر یاد آنے لگے۔

پھر ان ہی دنوں اردشیر کی واپسی کی خبر حویلی میں گونجنے لگی۔ وہ اپنے دو بیٹوں اور بیوی ملیحہ کے ہمراہ واپس آ گیا تھا۔ وہ بطور خاص صبیر اور صباد سے ملنے آیا تھا۔ یہ دونوں مستقبل میں اردشیر کے بہنوئی تھے۔ سو اب تو دوہری رشتے داری تھی۔

''ثمر آپا! کہاں گم ہو...... ذرا یہ سوٹ تو دیکھو، میں نے کتنا اچھا کام بنایا ہے اس کے اوپر'' مرجان بی بی نجانے کہاں سے اس کی سوچوں کے تسلسل کو توڑنے کے لیے پہنچ گئی تھی۔ ثمر نے بے خیالی میں قمیض ہاتھ میں پکڑ لی۔

''خوب صورت بنائی ہے نا......؟'' مرجان بی بی کے سرخ و سفید چہرے پر جوش اور خوشی کے رنگ تھے۔

''ہوں......اچھی ہے''

''آپ تو پتا نہیں کیا سوچتی رہتی ہیں ہر وقت'' مرجان بی بی کو اتنی سی تعریف ہضم نہیں ہوئی تھی۔

''تم کیا جانو'' اس کا انداز اب بھی کھویا کھویا سا تھا۔

''ہاں...... یہ آپ کی عمر کا تقاضا ہے۔ آپ پینتیس سال کی ہو چکی ہیں آپا!'' بڑی کڑی حقیقت وہ بہت سفاکی کے ساتھ ثمر کے منہ پر مار گئی تھی۔ ثمر پل بھر کے لیے ششدر رہ گئی۔

وہ بے خیالی میں اٹھی اس کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ لاک کیا اور دیوار میں نصب آئینے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ خود کو بغور دیکھنا چاہتی تھی۔

''اور یہ آئینہ واقعی سچ کہہ رہا ہے'' اس نے آئینے میں ابھرتی اپنی شبیہہ کو دیکھا اور زیر لب بڑبڑائی۔

اسے نو سال پہلے کے کچھ منظر یاد آنے لگے تھے اس نے اپنے ہاتھوں سے زندگی کی بہت ساری خوشیاں خود کھو دی تھیں، صرف اور صرف اس محبت کی خاطر جو اسے نجانے کب سے ناسور بنی چاٹ رہی تھی۔

رکھی کے ہاتھ اس نے اردشیر کو کیا پیغام بھجوایا تھا۔ اسے سب کچھ پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھا دو لفظوں کی اس تحریر نے اردشیر کی غیرت پر کیا تازیانہ مارا تھا۔

''میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وجہ میں بتانا نہیں چاہتی وجہ جان کر کرو گے بھی کیا۔ بس یوں سمجھ لو۔ ہمارے ستارے نہیں ملتے۔ ویسے بھی تم بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو تمہیں، تمہارے جوڑ کی مل جائے گی''

اردشیر نے اس تحریر کو پڑھنے کے بعد واقعی کسی بھی قسم کی وضاحت طلب نہیں کی تھی، رکھی نے بہت سی حقیقتوں سے پردہ ہٹا دیا تھا۔

''ثمر بی بی کا دماغ چل گیا ہے سائیں! اپنے خالہ زاد مہمند سائیں سے''

''بکواس مت کرو'' وہ لب بھینچ کر چیخا۔

''میں تو آپ کو'' وہ کچھ اور بھی بتانا چاہتی تھی مگر اردشیر نے اسے جھڑک کر خاموش کروا دیا تھا۔ رکھی منمنا کر رہ گئی۔

اور پھر سب نے دیکھا کہ دونوں حویلیوں میں کیسا بھونچال آ گیا۔ اردشیر نے اس نام نہاد بندھن کو توڑ کر اپنے بزرگوں کو خود سے خفا کر دیا تھا۔ وہ کرتا بھی کیا۔ اس کی غیرت ایک بٹی ہوئی سوچ والی عورت کو قبول کرنے اور اپنانے کے لیے تیار نہ تھی،، سو اس نے ماں باپ کی خفگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہیں اس کی ملاقات ملیحہ سے ہوئی تھی اور پھر جلد ہی انہوں نے شادی کر لی۔ ادھر حویلی والے جان گئے تھے کہ شاید یہی لڑکی تھی جس کی وجہ سے اردشیر نے خاندان سے بغاوت کی تھی۔

آج ثمر جہاں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سارے خسارے اسی کی جھولی میں آن پڑے ہیں۔

☆☆☆

بڑی حویلی سے آنے والے پیغام نے ایک مرتبہ پھر ثریا جہاں کو متوحش کر دیا تھا۔ سبطین شاہ، فیضہ کی رخصتی کرنا چاہتے تھے مگر ادھر ثریا جہاں کی خواہش تھی کہ پہلے ثمر کو اس گھر سے رخصت کیا جائے بیٹی کی بڑھتی عمر کے احساس نے انہیں ہولا کر رکھ دیا تھا اور پھر صبیر کی زینب میں بڑھتی دلچسپی نے انہیں اور بھی پریشان کر دیا تھا شاہ سائیں مریدوں سے فارغ ہو کر اندرونی حصے کی طرف آئے تو ثریا جہاں کو بے چینی سے ٹہلتا پا کر حیران رہ گئے۔

''اچھا ہوا آپ آ گئے ہیں۔ میں ابھی پیغام بھیج کر آپ کو بلوانے والی تھی'' انہوں نے صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''خیریت'' شاہ سائیں کی آنکھوں میں تفکر تھا۔

''جب بیٹیاں تیس سے اوپر ہونے لگیں تو خیریت نہیں پوچھا کرتے'' ثریا جہاں نے نم آواز میں کہا'' آپ کے بھتیجے نے میری بیٹی کو ٹھکرا کر اس پر زندگی کے دروازے بند کر دیئے ہیں''

ثریا جہاں کی آواز میں بلا کی کاٹ تھی۔ شاہ سائیں کچھ پل کے لیے بالکل خاموش رہ گئے تھے۔ کس قدر شاندار تھا ان کا بھتیجا مگر ثمر کے نصیب میں نہیں تھا۔

''اب کیا سوچا ہے تم نے'' بہت دیر بعد انہوں نے خاموشی کو توڑا۔

''اب میں دیر نہیں کرنا چاہتی۔ اسی لیے آپ کو بلوایا ہے میں نے سوچا ہے کہ......'' وہ آہستہ آواز میں ان کے کان کے قریب جھک کر کہہ رہی تھیں۔ شاہ سائیں کی آنکھوں میں پہلے الجھن اور پھر پریشانی جھلکنے لگی۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''کیوں ممکن نہیں' آپ رضامندی دیں اور باقی کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں'' ثریا جہاں نے اندرونی خوشی چھپا کر کہا۔

''مہمند مان جائے گا۔ کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں؟''

وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

''کیسی زیادتی، سید عبدالوہاب کا داماد بنے گا۔ یہ تو اس کی خوش بختی ہے'' انہوں نے تفخر سے کہا۔ عام حالات میں تو شاید شاہ سائیں کو منانا مشکل تھا، مگر اب فیضہ کی وجہ سے بھی انہیں مان جانا پڑا تھا۔ کیونکہ ثریا جہاں، ثمر کی شادی سے پہلے فیضہ کو اس گھر میں لانے کے لیے تیار نہ تھیں۔ ادھر سبطین شاہ، بیٹی کو جلد از جلد رخصت کرنا چاہتے تھے۔

''پھر بھی، تم مہمند کیساتھ زبردستی مت کرنا، پہلے اس سے پوچھ لو، اگر وہ دل سے رضا مند ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ جو ثمر کے نصیب'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''وہ کیوں نہیں مانے گا۔ کروڑوں کی جائیداد ثمر کے نام ہے۔ اس حویلی میں برابر کا حصہ ہے، ہماری بیٹی کا تو پھر مہمند کو اور کیا چاہئے۔ بے نام ونشان نشئی باپ کا بیٹا۔ ہماری بیٹی کی بہت قدر کرے گا'' وہ مکمل پلاننگ کر چکی تھیں۔ صرف شاہ سائیں سے اجازت درکار تھی۔ سو انہیں رضامند دیکھ کر وہ مسرور ہو گئیں۔

اپنے جان سے پیارے بھانجے کی بیٹی کے ساتھ وسیع وعریض جائیداد اور جاگیریں سونپنے کا خواب تو بہت پہلے انہوں نے دیکھ رکھا تھا۔ اب تکمیل کے مراحل طے کرنے تھے انہیں

یقین تھا مہمند انکار کر ہی نہیں سکتا۔

اب وہ ایک لمحے کی دیر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی رات انہوں نے مہمند سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جوں ہی انہوں نے اپنے تئیں یہ خوشخبری مہمند کو سنائی، وہ چند پل کے لیے بالکل گم صم رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر کئی سائے آتے جاتے رہے۔ وہ بہت دیر بعد کچھ کہنے کے قابل ہو سکا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں خالہ اماں''

''تیری خوش نصیبی کا اعلان کرنے والی ہوں میری اور تیری بدنصیب ماں کی یہی خواہش تھی۔ میں تمہیں اس حویلی اور شاہوں کی جائیداد کا وارث بنانا چاہتی ہوں'' وہ اس کی پیشانی چوم کر دل سے بولیں۔

''مگر خالہ اماں! ایسا کس طرح ممکن ہے۔ ثمر مجھ سے بڑی ہیں۔ میں ان کی بڑی بہنوں کی طرح عزت کرتا ہوں'' وہ متوحش سا ثریا جہاں کو دیکھتا رہا۔

''خوش نصیبی دروازے پر دستک دے تو آگے بڑھ کر کواڑ کھول دیتے ہیں۔ احمق مت بن، آج تک میں تیرے انتظار میں ابھی تک ثمر کو اس دہلیز پر بٹھائے ہوئے ہوں۔ میں چاہتی تھی تو پڑھ لے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جا۔ اس جاگیر کو سنبھالنے کے قابل ہو جا۔ میں نے تیری خاطر اپنی کوکھ سے جنم لینے والی بیٹی پر بہت ظلم کیا ہے اب تو نے میرا مان رکھنا ہے۔ دیکھ شاہ سائیں کے سامنے مجھے شرمندہ مت کرنا'' انہوں نے بے تحاشا روتے ہوئے اپنی چادر اتار کر مہمند کے قدموں میں رکھ دی۔

''خالہ اماں! کیا کر رہی ہیں آپ؟'' وہ لرزیدہ آواز میں چادر اٹھا کر ان کے سر پر پھیلانے لگا تھا۔

''بتا...... کیا جواب ہے تیرا'' انہوں نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ مہمند کی آنکھ سے ایک آنسو گر کر قالین میں کہیں جذب ہو گیا تھا۔ اس نے دوزانو بیٹھ کر اپنے ہاتھ خالہ اماں کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔

''اس طرح میرا امتحان مت لیں خالہ اماں''

''اتوار کی شام کو نکاح ہے'' وہ سنی ان سنی کر کے اپنا حکم سنا رہی تھیں۔

''خالہ اماں! ایک مرتبہ پھر سوچ لیں'' اس کا دل کرلا رہا تھا۔ محبت کی کونپلیں ابھی

پھوٹی ہی تھیں کہ کس بے دردی سے انہیں نوچ دیا گیا تھا۔ اس کے تصور میں ام زینب کا چہرہ تھا۔ اس چہرے سے مہمند عباس نے عشق کیا تھا۔

"مجھے خود کو ایک سمجھوتہ بھری زندگی گزارنے کے لیے تیار کر لینا چاہیے" وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا حویلی سے بہت دور چلا گیا تھا اور ادھر حویلی میں ثمر جہاں اور مہمند عباس کے نکاح کا اعلان کر دیا گیا۔

"مرجان بی بی نے سنا اور دل تھام کر رہ گئی۔

"سدا کی بخت آور ہو ثمر جہاں! اور ہم ہیں تم لوگوں کے ٹکڑوں پر پلنے والے بے زبان لوگ۔ ہمیں جب چاہو اپنے مطلب کے لیے استعمال کر لو۔ آخر جو رزق تم لوگوں کا ہمارے حلق میں اترا ہے اس کا حق بھی تو ادا کرنا ہے"

وہ نفرت بھرے لہجے میں زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ اس کے دل نے بھی تو چپکے سے مہمند عباس کی تمنا کی تھی۔ آج کسی اور کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔ اگلی صبح مرجان بی بی اپنی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر پھیکی سی ہنس ہنس رہی تھی۔

ثمر جہاں کو دو جہان کی خوشیاں مل گئی تھیں۔ جمعہ کو نکاح کی رسم ادا کی گئی تھی۔ اردشیر پر دونوں کے نکاح کی خبر بجلی بن کر گری تھی۔ مہمند سے اس کی نفرت میں کئی گناہ اضافہ ہو گیا۔

مہمند آج تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ بڑی حویلی والے اس سے اتنی نفرت کرتے کیوں ہیں؟ اردشیر سے جب بھی کبھی ملاقات ہوتی وہ اسے لفظوں کے تیروں سے چھلنی کر دیتا۔

"محض وراثت میں حصہ لینے کے لیے تم نے اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی کر لی"

ان کی شادی کے کچھ عرصہ بعد صباد اور فیضہ کی شادی بھی ہو گئی تھی۔ ثمر جہاں کے ہاں پہلا بیٹا ہوا تو پورے تین دن تک دیگیں پکتی رہیں۔

ادھر فیضہ کی شادی کے چھ سال بعد پشمینہ اور پھر لغونہ پیدا ہوئیں۔ ان ہی دنوں ایک ایکسیڈنٹ میں صباد کا انتقال ہو گیا۔ حویلی کے رنگ نجانے کیوں آہستہ آہستہ مدھم ہو کر اڑ رہے تھے۔

فیضہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گم ہونے لگی تھی اور ثمر جہاں کی آنکھوں کی چمک بجھ کر رہ گئی تھی۔ مومن کے بعد مہر ماہ کی پیدائش پر کچھ پیچیدگی ہو جانے کی وجہ سے صباد کے صرف تین ماہ بعد ثمر جہاں بھی آنکھیں موند گئی تھی۔ حویلی کے در و دیوار پر اداسیوں نے ڈیرہ جما لیا تھا۔ ثریا جہاں، دو جوان بچوں کی اچانک موت پر اندر سے ٹوٹ کر رہ گئی تھیں۔ شاہ سائیں کے شانے

جھک گئے تھے۔

اتنی بڑی حویلی میں ثریا جہاں بولائی بولائی پھرتیں۔ ان کے سارے کس بل نکل چکے تھے۔ مگر ابھی کچھ اور امتحانات باقی تھے۔ بعض دفعہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال بھی دل سے سکون اور خوشی کو مٹا دیتا ہے۔ کچھ یہی حال ثریا جہاں کا تھا۔ بیٹی کی خوشیوں کو قائم دائم رکھنے کے لیے انہوں نے مہمند کے دل کو اجاڑ دیا تھا۔ اب صبیر کو کم از کم اس کی خوشی سے محروم کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ انہوں نے بڑی چاہ سے ام زینب کا رشتہ مانگا تھا مگر مہمند نے بہت شدت سے مخالفت کی تھی۔

"اس خطے میں کیا لڑکیاں ختم ہو گئی ہیں صبیر کے لیے"

"مگر مہمند پتر! یہ صبیر کی خواہش ہے" ثریا جہاں نے نرمی سے کہا۔

"آپ نے کب سے دوسروں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا ہے" اس کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ وہ تیز قدموں سے نکل گیا۔ ثریا جہاں سوچوں میں گم بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

"تم بابا جان سے کب بات کرو گے صبیر! اب کیا مسئلہ ہے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا بہانہ نیا جھوٹ تیار کر کے لے آتے ہو" زینب نے ناراضی سے کہا۔

"ابھی تو ثمر آپا کا غم تازہ ہے۔ لالہ کے قبر کی مٹی تک سوکھی نہیں اور میں کیسے شادی کی بات چھیڑ دوں۔ تم بھی کمال کرتی ہو" صبیر نے ناراضی سے کہا۔

"ثمر آپا کے غم کی بات تم نے خوب کہی ہے۔ تائی جی نے مرجان بی بی سے مہمند بھائی کا نکاح کر دیا ہے۔ ابھی تو ان کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہوگا" زینب نے رنجیدگی سے کہتے ہوئے ہار میں سے ایک پیلا پھول توڑ کر ہتھیلی پر رکھ لیا۔

"مجبوری تھی...... اماں بھی کیا کرتیں اس عمر میں مومن اور ننھی سی مہر ماہ کی ساری ذمہ داری ان ہی پر آ پڑی تھی۔ چھوٹے بچوں کو بھلا کون سنبھالتا۔ ان کی سو ضروریات تھیں، پھر مرجان بی بی پہلے بھی انہیں بہت خوش اسلوبی سے سنبھال رہی تھیں، سو اماں کا فیصلہ تو بہتر ہی رہا ہے۔ مہر ماہ تو مرجان بی بی سے خوب مانوس ہو چکی ہے۔ مہمند بھائی کے اکھڑے اکھڑے رویوں کے باوجود کبھی بی بی مرجان کی پیشانی پر سلوٹ نہیں آئی" صبیر کے لہجے میں اداسی تھی۔

"تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے صبیر! مگر لالہ اب میری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ رات کو بھی وہ اسی سلسلے میں بابا جان سے بات کر رہے تھے کیونکہ لالہ اور بھابھی نے جلد ہی ابراڈ

چلے جاتا ہے اور وہ میری ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتے ہیں'' زینب جھنجلا کر بولی۔

''تمہارے لالہ نے میرا ایک قرض چکانا ہے زینب! انہیں کہنا ابھی ابراڈ جانے کا خیال دل سے نکال دیں''

''کون سا قرض؟'' زینب ٹھٹھکی۔

''ایک قرض ہے ان پر میرا۔ شاید وہ تو بھول بھی چکے ہوں گے'' وہ دور کہیں خلاؤں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہاری بات سمجھی نہیں'' اس نے حیرانی سے کہا۔

''سمجھ جاؤ گی، بہت جلد'' صہبیر نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجالی تھی۔

''نجانے کبھی کبھی تمہیں کیا ہو جاتا ہے صہبیر!'' زینب الجھی۔

''ماضی کی ہوا پرانے زخموں کو ادھیڑ دیتی ہے'' اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ چیخ رہے تھے۔

''خیر چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ جاب کا کیا بنا؟'' زینب نے بے زار ہو کر موضوع ہی بدل دیا۔

''ایک دو آفرز ہیں مگر میں نے ابھی سوچا نہیں ہے جاب کے متعلق''

''کیوں؟'' اس کی آنکھوں میں حیرانی در آئی۔

'میں ابھی کچھ عرصہ تک اپنے اردگرد کی دنیا کو جی بھر کر دیکھنا چاہتا ہوں اور پتا ہے تمہیں زینب! کہ میری دنیا کون سی ہے'' وہ ایک دم اس کی طرف پلٹ کر بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''بتاؤ تو پتا چلے نا'' وہ نگاہ چرا کر پھر سے پھولوں کی کنج کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کچھ فاصلے پر جھیل کے ٹھنڈے میٹھے پانی میں گرمی کی شدت سے نڈھال ننھی چڑیا منہ مار رہی تھی۔

''میری دنیا صرف تم ہو ام زینب! میں نے تم سے اوائل عمری میں محبت کی ہے۔ میری زندگی میں، میرے دل میں صرف تم ہی تم ہو اور جب میں مروں گا تو تب بھی میرے دل میں صرف تمہارا ہی احساس اور خیال ہوگا۔ کبھی میرے دل اور میری محبت سے بدگمان مت ہونا میرا اور تمہارا روح کا تعلق ہے۔ کیا تمہیں نہیں لگتا زینب! کہ آپا اور مہند بھائی کی شادی بے جوڑ تھی۔ نہ ان کے ذہن ملے تھے، نہ دل اور میں جانتا ہوں کہ یہ مجبوری کا بندھن کیوں باندھا گیا تھا''

وہ بھیگی آواز میں خود کلامی کر رہا تھا، یوں کہ کچھ فاصلے پر موجود زینب اس کی کچھ کچھ

باتیں ہی سمجھ سکی تھی۔

''تم میرے لالہ کیساتھ بزنس کیوں نہیں کر لیتے۔ وہ ان دنوں ایک اور فیکٹری لگانے کا سوچ رہے ہیں۔ تم پارٹنر شپ کر لو۔ کچھ عرصہ تک تمہیں خوب تجربہ حاصل ہو جائے گا۔ پھر بھلے سے اپنا بزنس الگ کر لینا'' زینب نے ایک بہترین مشورہ دیا تھا۔ صہبیر نے ایسے ہی بے خیالی سے سر ہلا دیا۔

''میں تو کبھی زمینوں پر تیار فصل دیکھنے نہیں گیا اور تم فیکٹری کی بات کر رہی ہو'' وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے مسکرایا۔

''سب ذمہ داریاں مہند بھائی کے کندھوں پر ڈال رکھی ہیں۔ کبھی تم بھی ان کا احساس کر لیا کرو'' زینب نے خفگی سے کہا۔

''میں اس معاملے میں نا اہل ہوں'' صہبیر نے زینب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھایا اور اس کے کان کے قریب جھولتی ہوئی لٹ کو ہٹاتے ہوئے بولا'' مجھ جیسے بے روزگار سے شادی کر کے تمہیں کیا ملے گا''

''حویلی کی راجدھانی'' زینب مسکرائی۔

''حویلی میں تو اب بھی راج کر رہی ہو'' صہبیر نے حیرانی سے کہا۔

''میں تمہاری حویلی میں راج کرنا چاہتی ہوں۔ تائی اماں جیسا لباس زیب تن کروں گی۔ یہ کلائیوں میں موٹے موٹے کڑے کھنکیں گے۔ پیروں میں پازیبیں بجیں گی۔ ان ہی کی طرح سب پر رعب ہوگا میرا'' وہ مزے سے بولی۔

''اماں فیضہ بڑی ہیں۔ رعب تو ان ہی کا ہوگا، سب پر اور ان ہی کے فیصلے کو اہمیت دی جائے گی''

''اماں فیضہ نے کب کسی پر رعب جمایا ہے۔ ان کی تو آواز ہی اتنی نرم ہے۔ میں ان کے حصے کا رعب سب پر جماؤں گی''

''خوامخواہ لوگوں کی بد دعائیں اکٹھی کرنے کی کیا ضرورت ہے'' صہبیر نے اسے فوراً ہی ٹوکا۔

''دعائیں بھی بہت ہیں، میرے پاس اب اٹھو مغرب کی اذان ہونے والی ہے''

''کیا دعا مانگو گی؟'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بے ساختہ مسکرایا۔

''منہ دھو رکھو تمہارے حصول کے لیے نہیں ہے'' زینب نے لاپروائی سے کہا۔

''کیوں؟''

''تم تو آل ریڈی میرے ہو''

''اتنا بھروسا ہے مجھ پر'' صبیر کے قدموں کی رفتار سست ہونے لگی تھی۔

''ہاں'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''اور اگر کبھی یہ بھروسہ ٹوٹ جائے تو'' وہ کچھ گم صم سا بول رہا تھا۔

''ایسا ہو ہی نہیں سکتا'' زینب کی آنکھوں میں کیسا یقین تھا۔ صبیر کا دل کہیں پاتال میں گرنے لگا۔

''فرض کرو...... میں بدل جاؤ، وقت بدل جائے کچھ ایسا ہو جائے جو تمہاری توقع سے بالکل برعکس ہو۔ پھر کیا کرو گی''

''وقت بدل سکتا ہے حالات بدل سکتے ہیں مگر تم کیوں بدلو گے'' اس نے لہجے میں خفگی سمو کر قدموں کی رفتار تیز کر دی تھی۔

''ایک وعدہ کیا تھا خود سے آپا! اب مجھے لگتا ہے بدلہ چکانے کا وقت قریب آ رہا ہے اور اب میں سوچتا ہوں کہ زندہ رہ کر بھلا کیا کروں گا۔ کیا کوئی دل کے بغیر زندہ رہ سکا ہے۔ اردشیر شاہ نے آپ کو ٹھکرا دیا۔ آپ کا مجرم اپنی زندگی کی رنگینیوں میں مگن ہے اور آپ شہر خموشاں میں گہری نیند سو رہی ہیں۔ ابھی تو آپ کو جینا تھا آپا! مومن اور مہر ماہ کی خوشیاں دیکھنا تھیں۔ ان کے لاڈ اٹھانے تھے۔ آپ نے اتنی جلدی کیوں ہم سے رخ موڑ لیا ہے آپا!'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

ام زینب کی قسمت کا فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ ایک اور دل درد سے آشنائی پانے والا تھا۔ اک اور آنکھ سے نیند روٹھنے والی تھی۔ اک اور دل پر شام اترنے والی تھی۔

صبیر عبدالوہاب نہیں جانتا تھا کہ اس کی لاڈلی آپا ثمر جہاں کو اردشیر شاہ نے نہیں مہند عباس کی بے رخی نے مارا ہے۔ اسے پچھتاؤں کے کوڑوں نے مارا ہے۔ اسے ایک غلط فیصلے پر سر جھکا دینے کی اذیت نے مارا ہے اسے ایک بے جوڑ بندھن میں بندھ جانے کی اس ذلت نے مارا ہے جو سات سالوں تک اس کا نصیب بنی رہی تھی۔

☆☆☆

''میری زندگی شروع سے ہی طوفانوں کی زد میں رہی ہے میں بہت چھوٹا تھا جب ایک رات میرا باپ زخمی حالت میں گھر آیا اس کا پورا وجود کیچڑ میں لت پت تھا اسے نشے کی کمی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اپنے جسم کو نوچ کھسوٹ رہا تھا اسی حالت میں تڑپتے ہوئے گالیاں دیتے چیختے چلاتے میرے باپ نے جان دے دی مجھے یتیمی کے بعد احساس ہوا کہ یتیم ہونا تو بہت فائدہ مند ہے کم از کم میں نشئی کا بیٹا کہلوانے کی ذلت سے بچ گیا ہوں۔

زندگی کا ایک دور نواب شاہ میں ختم ہو گیا تھا ایک نئے دور کا آغاز شاہ عبدالوہاب کی حویلی میں ہونے والا تھا میری ماں مجھے اپنی بہن کی محل نما حویلی میں لے آئی تھی۔ یہاں میری دلچسپی کے لیے بہت کچھ تھا مگر مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا کیونکہ یہ سب میرا نہیں تھا۔ اس پر یعنی آپ کا، صبا دلالہ اور صبیر کا حق تھا۔ میں نے کبھی کسی کی چیز چھیننے کی کوشش نہیں کی مگر سہاگ رات میں اس نے ثمر سے صاف کہا تھا۔

''صرف ایک بات کہنا چاہوں گا۔ میرا اور آپ کا رشتہ خالہ اماں نے طے کیا ہے۔ میرا سر ہمیشہ ان کے سامنے ان احسانات کی وجہ سے جھکا رہے گا، جو انہوں نے میری ماں اور مجھ پر کیے ہیں۔ مجھے شاہ سائیں کی دستار کی عزت اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔ آپ کو کبھی بھی مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ میں آپ کے تمام حقوق بھی پورے کروں گا۔ آپ کو کبھی بھی میری زندگی میں کوئی عورت نظر نہیں آئے گی مگر کبھی اس دل میں جھانکنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ ورنہ میری اذیتوں میں برابر کی حصہ دار بن جائیں گی''

شادی کی پہلی رات وہ اپنے شوہر کے منہ سے جو کچھ سن چکی تھی۔ اس پر اگلی بہت سی راتیں جاگنا اور صرف سوچنا ہی تو تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ مہند عباس کے خوابوں کا محور کوئی اور تھا۔ اس کے دل پر کسی اور کی حکومت تھی آخر تھی وہ کون؟ کچھ کھوجنے اور جاننے کی جستجو نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

اس نے مہند پر کڑی نگاہ رکھنا شروع کر دی وہ اس کے معمولات کا بغور جائزہ لیتی رہی اور پھر ایک رات اس نے مرجان بی بی کی کچھ باتیں چپکے سے سن لیں مرجان کسی اور سے نہیں خود سے مخاطب تھی وہ بھی یک طرفہ محبت کی کچھ اذیتیں سوغات میں لیے بیٹھی تھی۔

ثمر جہاں کو خیال گزرا کہ شاید مہند، مرجان بی بی کی محبت میں مبتلا ہے۔ اس کے اندر حسد کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ وہ بہت رشک کے عالم میں مرجان بی بی کے حسین نوخیز حسن کو

دیکھ رہی تھی۔اس کے سیاہ بال پوری پشت پر آبشار کی مانند بکھرے تھے۔

☆☆☆

مومن پیدا ہوا......حویلی میں ایک جشن کا سماں تھا۔اس دن مرجان بی بی بھی بہت خوش تھی اس کے ترشے گلابی ہونٹ مومن کے رخساروں کو چوم رہے تھے وہ مومن سے بے تحاشا پیار کرتی تھی ثمر جہاں نے اسے دیکھا تو جھپٹ کر مومن کو اس کی گود سے لے لیا۔

''آپا! میں آپ کی ان حرکتوں کا پس منظر جانتا ہوں''

''جانتی ہو تو اپنا منحوس وجود لے کر یہاں سے دفع کیوں نہیں ہو جاتیں'' ثمر کا لہجہ زہر آلود تھا۔

''آپ کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا'' مرجان نے تمسخرانہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''کم از کم میں اس جلاپے کی اذیت سے نجات پالوں گی''

''آپ کبھی بھی اس اذیت سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گی'' مرجان نے سابقہ لہجے میں کہا تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو'' ثمر بلند آواز میں چلائی۔

''کیوں خود کو مزید پریشان کرتی ہیں آپا! کیا آپ کے اطمینان کے لیے یہ کافی نہیں کہ جسے آپ نے چاہا اسے پالیا۔جس سے محبت کی، وہ آپ کا ہم سفر ہے۔آپ اس کے بیٹے کی ماں ہیں۔آپ کی خوشی اور سکون کے لیے تو بس اتنا ہی کافی ہونا چاہئے'' مرجان نے نرمی اور تحمل سے کہا۔

''جس بھٹی میں جل رہی ہوں میں......اس اذیت کا اندازہ تم کیسے کر سکتی ہو؟''

''اگر وہ مجھے بن مانگے مل جاتا تو میں تمام عمر شکرانے کے نفل ادا کرتی۔میرے اطمینان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہونا تھا چاہے اس کے دل میں کسی اور کی صورت ہی کیوں نہ سجی ہوتی'' مرجان نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر سچائی سے کہا تھا۔

''اتنی قناعت اور صبر میں کہاں سے لاؤں'' ثمر بے بسی سے بولی۔

''آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے'' مرجان نے بال سمیٹے اور دور افق پر ڈوبتے سورج کو دیکھ کر یاسیت سے بولی۔

''صاف صاف بات کرو''

''کمال ہے آپا! آپ ان کی خلوتوں کی ساتھی ہو کر انہیں جان نہیں سکیں۔ان کے دل

میں جھانک نہیں سکیں۔ان کی آنکھ میں کس کا عکس ہے۔آپ کو اتنے سالوں بعد بھی پتا نہیں چلا''

مرجان کی آواز میں تاسف تھا اور وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔

''مہند عباس، ام زینب کی محبت میں گرفتار ہیں آپا''

ثمر جہاں کو لگا تھا کہ پوری حویلی آن کی آن میں اس کے اوپر آ گری ہے۔

☆☆☆

یہ جون کے آخری ہفتے کی بات تھی۔صبح صبح حویلی میں صبیر کا پیغام پہنچ گیا تھا کہ گاؤں کی حدود کے اختتام پر کوئی اسے لینے آجائے۔ڈرائیور چھٹی پر تھا۔مہند پیغام ملتے ہی جیپ لے کر مطلوبہ جگہ پہنچ گیا تھا۔گرمیوں کی شدید ترین دوپہریں تھیں۔پرندے تک گھونسلوں میں چھپے اونگھ رہے تھے صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی تھی مگر صبیر کا نام و نشان نہیں تھا۔جب رات کے سائے پھیلنے شروع ہوئے تو مہند نے بھناتے ہوئے واپسی کا قصد کیا۔اسی پل ایک گاڑی فراٹے بھرتی اس کے قریب سے گزری تھی۔تھوڑا سا آگے جا کر گاڑی ڈرائیو کرنے والے نے مرر میں سے دیکھا تھا اور پھر گاڑی دو سیکنڈ میں بیک ہو کر مہند کے قریب آرکی۔

''کیوں بھئی کون سی ڈیوٹی بھگت رہے ہو۔شاہوں کی چاکری سے فرصت مل جائے تو میری فیکٹری میں آجانا بہت شاندار جاب مل جائے گی۔خوامخواہ اپنی ایم بی اے کی ڈگری زمینوں میں جھونک رہے ہو'' مقابل کی بادامی آنکھوں میں نفرت ہلکورے لے رہی تھی، الفاظ شعلوں میں لپٹے تھے مہند کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہو گیا۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں آپ کو بھی اپنی عزت کا پاس ہونا چاہئے''

مہند لب بھینچ کر کھڑکی پر جھکا تو گویا پلکیں ساکت رہ گئیں۔

اردشیر کے برابر سیٹ پر ام زینب بیٹھی تھی اس کا دل یکبارگی بہت زور سے دھڑکا، کچھ کہنے کے لیے لب پھڑپھڑائے تھے۔وہ تیزی سے پلٹا اور پھر جیپ کی طرف بڑھ گیا۔اپنی کم مائیگی کا احساس روح کو رگید رہا تھا اس لیے جب گل خان زمین کا کوئی مسئلہ لے کر آیا تو مہند نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا وہ منہ بناتا پلٹ گیا۔

''یہ زمینیں صبیر کی، جائیدادیں صبیر کی، حویلی صبیر کی، عزت بھی اسی کی، میرے پاس کچھ بھی نہیں۔عزت بھی نہیں میں کیوں خود کو خرچ کر رہا ہوں'' تنفر سے سوچتے ہوئے وہ اٹھا اور حویلی کی طرف چل دیا۔ثریا جہاں شاید اس کی منتظر تھیں۔اسے اندر آتا دیکھ کر فوراً لپک کر آئیں۔

''میرے بچے! تھک گئے ہو'' اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ محبت سے گویا ہوئیں۔ مہمند بغیر رکے سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

پھر اس کے مزاج میں آہستہ آہستہ تبدیلی نظر آنے لگی۔ وہ چڑچڑا اور بد مزاج ہوتا جا رہا تھا شاہ سائیں اگر زمینوں کے متعلق کوئی مشورہ دیتے تو وہ بغیر سنے بے زاری سے اٹھ جاتا۔

البتہ ثمر کے ساتھ اس کے رویے میں تبدیلی نہیں آئی تھی وہ ثمر سے پہلے کی طرح ہی بات چیت کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی مومن کو اٹھا کر جی بھر کے پیار کرتا۔ شاید اس لیے بھی کہ مومن میں صرف اسی کی شباہت تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا ثمر پہلے سے زیادہ تنک مزاج اور غصیلی ہوتی جا رہی تھی۔ بات بے بات مہمند سے الجھ پڑتی۔ اسے اپنی بڑھتی عمر کا بھی احساس تھا۔ اس رات بھی ایک معمولی سی بات پر وہ مہمند سے الجھ پڑی تھی بات اتنی بڑھی کہ مہمند غصے کے عالم میں کمرے سے باہر نکلنے لگا۔

''تم تو مجھ سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈتے ہو'' وہ غصے سے پھنکاری۔

''کس کے حسن نے تمہیں دیوانہ کر رکھا ہے'' اس کا لفظ لفظ گویا تیزاب میں ڈوبا تھا مہمند رک گیا اور اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ ثمر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''کیوں خود کو جلا رہی ہو ان دیکھی آگ میں ثمر! میں نے تو کبھی کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ کبھی تمہارے حق کو کسی اور پر نہیں لٹایا''

''سب جانتی ہوں میں بزدل انسان جسے چاہتے تھے اس کا نام کیوں نہیں زبان پر لا سکے'' ثمر گویا پھٹ پڑی۔

''میں تم سے اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا'' مہمند کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''تم کیا سمجھتے تھے میں کبھی بھی جان نہیں سکوں گی''

''اگر تم جان ہی چکی ہو تو اب ہنگامہ کرنے کا بھلا کیا مقصد ہے؟'' مہمند کب تک برداشت کرتا۔ اب تو اس کا ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

''تم نے مجھ سے جائیداد کی خاطر شادی کی ہے۔ تم مرد تھے انکار بھی کر سکتے تھے'' ثمر چلائی۔

''بات کو مت بڑھاؤ ثمر!'' وہ ایک مرتبہ پھر بڑے ضبط سے بولا

''میری بات کا جواب دو''

''تمہاری فضول اور بے سرو پا باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں'' وہ پلنگ کے دوسری طرف آ کر لیٹ گیا تھا۔

''یہ کہو کہ تمہارے پاس سرے سے کوئی جواب ہے ہی نہیں'' ثمر نے تنک کر کہا۔

''میں نے تم سے شادی جائیداد کی خاطر نہیں خالہ اماں کے احسانات کے بوجھ کو اتارنے کے لیے کی ہے ہمت اور حوصلہ ہے سچ سننے کا تو سنو تمہاری بڑھتی عمر کی وجہ سے خالہ اماں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں اور اب تم نہیں صرف اور صرف تمہارا احساس کمتری بول رہا ہے بدگمانیوں کی اس دھند کو اردگرد سے ہٹا لو ثمر! ورنہ اپنا نقصان کر بیٹھو گی'' اس نے بازو آنکھوں پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

''میں تمہارے سارے کرتوت جان گئی ہوں۔ تم نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔ ہر شے میں برابر کے حصے دار بنے ہو''

وہ گویا اپنے حواس کھونے لگی تھی حسد کی آگ نے اسے جلا کر راکھ بنا دیا تھا مہمند چپکے سے بستر سے اٹھا اور دبے قدموں سے باہر نکلتا چلا گیا جبکہ ثمر اب اور زور زور سے چلانے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ اردشیر کی خوشگوار زندگی کے بارے میں کسی سے بھی سنتی تو نجانے کیوں زیاں کا احساس بڑھنے لگتا۔ اس نے واقعی خسارے کا سودا کیا تھا نہ وہ مہمند کی بن سکی تھی نہ مہمند کو اپنا بنا سکی تھی۔ نہ اسے چاہنے کا ڈھنگ آیا تھا نہ چاہت لینے کا سلیقہ آیا۔ فیضہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھی۔

''کیوں خود کو تھکا رہی ہیں ثمر آپا''

''فیضہ! کیا کروں چھاؤں کی طلب میں دھوپ ہاتھ میں لے لی ہے'' ان دنوں وہ بہت پریشان سی پوری حویلی میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔ نجانے ثریا جہاں کو بیٹی کی آنکھوں میں چبھتی ریت نظر کیوں نہیں آتی تھی اور ادھر مرجان بی بی تاسف سے کہتی۔

''ثمر آپا! تم کبھی بھی مطمئن ہونے والے لوگوں میں سے نہیں ہو تمہیں تو اسی پر قناعت کر لینی چاہیے کہ مہمند عباس، خدا نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے۔

''مگر مجھے لگتا ہے میں بہت بدنصیب عورت ہوں کبھی کبھی اردشیر کی بادامی آنکھوں کے شکوے نجانے کیوں نیند سے جگا ڈالتے ہیں اور وہ کتنا اعلا ظرف مرد ہے جس نے آج تک

اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا کہ انکار میری طرف سے ہوا تھا‘‘ اب وہ دل کی باتیں مرجان کے ساتھ شیئر کرنے لگی تھی۔

’’جو ہو چکا اسے بھول جاؤ اپنے بچے اور شوہر کی طرف توجہ دو خسارے گننے بیٹھو گی تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا‘‘ مرجان بی بی نرمی سے اس کے ہاتھ دباتی۔

’’کبھی کبھی سوچتی ہوں اردشیر جیسا مرد میرے انکار پر خاموش کیسے ہو گیا۔ وہ بولے تو درودیوار لرزنے لگتے ہیں آخر اس نے اپنی توہین پر خاموشی کیوں اختیار کر لی تھی‘‘

ثمر کھوئے کھوئے لہجے میں ماضی کی راکھ کریدنے کی کوشش کرتی۔

’’آپا! تعلیم انسان کو شعور بخشتی ہے وہ پڑھے لکھے انسان تھے سمجھ گئے ہوں گے کہ آپ کی محبت کا مرکز کوئی اور ہے‘‘

’’اسی بات کا تو صدمہ ہے وہ میرے بارے میں نجانے کیا سوچتا ہو گا‘‘ وہ بے قراری سے کہتی۔

’’آپا! اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے؟‘‘ مرجان اسے سمجھانے کی کوشش کرتی۔ مگر اس کے پچھتاوے ختم نہ ہوتے۔

☆☆☆

پورا احمد آباد جانتا تھا کہ اردشیر اور مہمند عباس کی کبھی آپس میں نہیں بنی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے خار کھاتے ہیں اردشیر کی نفرت تو سمجھ میں آتی تھی۔ مہمند عباس کی وجہ سے اس کے خاندان کی لڑکی نے اس کے وجود کی نفی کی تھی۔ اسے ٹھکرا دیا تھا کسی بھی مرد کے لیے ایک عورت کا ٹھکرا دینا باعث اذیت ہی نہیں غیرت پر تازیانہ ہوتا ہے پھر اردشیر جیسا مرد جس کے لیے ملیحہ جیسی لڑکی نے اپنا خاندان تک چھوڑ دیا تھا۔

اردشیر کے لیے ثمر جہاں کا انکار ایسا نیزہ تھا، جو اس کی غیرت پر سیدھا جا لگا تھا۔ مگر وہ بہت زیرک اور معاملہ فہم مرد تھا۔ اپنے خاندان کی عزت کو اچھالنا یا پھر شاہوں کی بیٹی کی اس جرأت اور بے باکی کا اعلان خود اس کی اپنی توہین بھی تھی اس میں اس نے ثمر جہاں کو ہی نہیں خود کو بھی ذلتوں کے عذاب سے بچا لیا تھا مگر دونوں حویلیوں میں گویا بھونچال آ گیا۔

وہ نہ صرف اپنے باپ بلکہ تایا کی نظروں سے بھی گر چکا تھا۔ وہ جب جب گئے وقتوں کی اذیتوں کو یاد کرتا مہمند سے اس کی نفرت میں مزید اضافہ ہوتا اسے گویا یقین تھا کہ مہمند عباس

نے محض ثمر جہاں کے حصے کی جائیداد ہتھیانے کی خاطر اس سے شادی کی ہے سو وہ اردشیر کے نزدیک ایک لالچی انسان تھا۔

ان دنوں ثمر جہاں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اسی لیے مرجان بی بی ہی مومن کو سنبھال رہی تھی مہمند کے کھانے پینے اور آنے جانے کے متعلق بھی سارے حساب اسی کے پاس تھے وہ صبح صبح اٹھ کر مہمند کا لباس استری کر کے لٹکا دیتی اور جوتے بھی چمکتے ہوتے۔ مومن کو بھی نہلا دھلا کر تیار کر دیتی۔ اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ مہمند کی سوچوں پر کون قابض ہے یا فی الحال وہ ثمر جہاں کی ملکیت میں ہے۔ وہ اپنا محبوب سمجھ کر اسے چاہتی رہی تھی اور مومن پھر اس کے مہمند کا اکلوتا فرزند تھا سو مومن کو مرجان بی بی کی طرف سے بہت سی محبتیں ملی تھیں۔ مرجان بی بی کو ثمر سے بھی انسیت تھی کبھی کبھی ثمر کے آنسو اسے پہروں رلانے کا سبب بنتے تھے البتہ وہ فیضہ سے بہت خار کھاتی تھی شاید اس لیے بھی کہ ان کا تعلق بڑی حویلی سے تھا۔

ثمر کو مہر ماہ کی پیدائش سے پہلے ہی اختلاج قلب کے علاوہ گھٹیا کا درج چمٹ گیا تھا ان دنوں مرجان بی بی نے سچ مچ حویلی میں رہنے اور یہاں کا رزق کھانے کا حق ادا کر دیا تھا اس نے ثمر کی بے انتہا خدمت کی تھی درد اور بے چینی کی وجہ سے تمام رات ثمر جاگتی رہتی تھی اور تڑپتی رہتی مرجان بی بی پوری رات ثمر کے پاس رہتی کبھی اس کا سر دباتی اور کبھی پیر۔ ثمر کی بیماری کے دوران وہ گھن چکر بنی رہی تھی ادھر حویلی میں ہر وقت مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا فیضہ کو باورچی خانے سے اک لمحے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اور پھر چھوٹی بچیوں کی دیکھ بھال گھر کے دیگر کاموں کی وجہ سے وہ اپنی تائی اور ثمر کے قریب نہیں آ سکی تھی، جبکہ مرجان بی بی اس کی تائی کے دل میں بھی اپنا مقام بنا چکی تھی۔

آج صبح سے پھر ثمر کی صحت خراب تھی۔ ڈاکٹر دو مرتبہ آ کر چیک اپ کر کے گئی تھی مگر ثمر کی بے چینی پہلے سے بھی بڑھ رہی تھی وہ اک پل کے لیے بھی مرجان کو اپنے پاس سے اٹھنے نہیں دے رہی تھی۔

پھر نجانے کیا ہوا کہ ثمر ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کافی دیر رونے کے بعد اس نے اپنا آنسوؤں سے دھلا چہرہ اٹھا کر مرجان بی بی کی طرف دیکھا اور بولی۔

’’سات سالوں کی بے سکونی اب ختم ہونے کے قریب ہے مجھے افسوس رہے گا کہ میں نے کچھ غلط فیصلوں میں اپنے لیے خود صحرا خرید لیا ہے میں نہیں جانتی کل کا سورج کیا پیغام

لاتا ہے بس اتنی سی میری درخواست ہے کہ میرے بچوں کو اپنے سینے سے لگا لینا مرجان! انہیں ممتا کی وہی گرمی مہیا کرنا جو میں چاہ کر بھی نہیں دے سکی ہوں میں اپنے مومن اور اس نئے آنے والے کو تمہاری آغوش میں دیتی ہوں"

"آپا! اللہ کے واسطے خود کو سنبھالیے اللہ آپ کو لمبی عمر عطا کرے۔ آپ خود اپنے بچوں کی ساری خوشیاں ساری خواہشیں پوری کریں" مرجان نے ثمر جہاں کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا کر چوما۔

"مجھے لمبی عمر کی بددعا تو نہ دو" وہ اپنے ایک تواتر سے بہتے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"آپ اس قدر مایوس کیوں ہیں"

"میرے اندر جینے کی تمنا ختم ہوگئی ہے" ثمر نے تکیے کی پشت سے سر ٹکایا اور بے آواز رونے لگی۔

"آپا! میں مہمند سائیں کو بلا لاتی ہوں وہ ہی آپ کو تسلی دیں گے" مرجان اس کے زرد چہرے میں ٹھنڈی زردیوں کو دیکھ کر پریشان ہو اٹھی۔

"رہنے دو مرجان! بس تم میرے پاس بیٹھی رہو" ثمر نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"آپا! آج صبیر، مومن کا بیکن ہاؤس میں ایڈمیشن کروا آیا ہے" مرجان نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"ہوں...... جانتی ہوں"

اس پل دروازہ چرر کی آواز سے کھلا اور پھر اندر آنے والے کو دیکھ کر مرجان سر پر چادر درست کرتی اٹھ گئی۔

"کیسی طبیعت ہے؟" مہمند بھاری آرام دہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں"

"میرا دل گھبرا رہا تھا، سوچا تمہیں ایک نظر دیکھ آؤں"

"بہت شکریہ" ثمر نے بھاری آواز میں کہا۔

"تمہیں مجھ سے بہت شکایتیں ہیں۔ حالانکہ میں نے کبھی تمہیں دانستہ دکھ دینے کی کوشش نہیں کی" مہمند نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے اس کے ماتھے پر اپنا بھاری ہاتھ رکھا۔ ثمر کو لگا

تھا گویا جلتے سلگتے دل پر ساون کی بوندیں گرنے لگی ہیں۔ وہ دھیرے دھیرے آنکھیں موند رہی تھی۔

دور مسجد میں فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ صبح صادق کا وقت تھا ابھی پو پھوٹنے میں بہت وقت درکار تھا یکا یک آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا اور ایک تواتر سے آسمان سے بارش برسنے لگی۔

ثمر جہاں نے ایک کمزور سی بچی کو جنم دے کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ حویلی میں ایک مرتبہ پھر صف ماتم بچھ گئی۔ ہر آنکھ نم تھی۔

ننھی مہر ماہ کا کسی کو ہوش ہی کہاں تھا۔ نجانے کس وقت مرجان کو خیال آیا تو وہ تقریباً بھاگتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھی۔ بچی رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی بھوک کی وجہ سے بلک رہی تھی۔ مرجان نے اسے گود میں اٹھایا اور دودھ لینے کی غرض سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

آہستہ آہستہ زخم سلنے لگے تھے ثمر جہاں کی پہلی برسی کے بعد شاہ سائیں نے مہمند کا نکاح مرجان سے کر دیا تھا اور مرجان نے ان دو بچوں کی خاطر اپنے اندر کے ہر احساس کو مٹا ڈالا تھا۔

ان ہی دنوں بہت سالوں بعد پہلی مرتبہ ثریا جہاں بڑی حویلی میں زینب اور صبیر کے رشتے کی بات کرنے اور تاریخ طے کرنے لگی تھیں۔

شادی کی ڈیٹ کیا فکس ہوئی دونوں حویلیوں میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ غم سے نڈھال ان دو خاندانوں نے اپنے اپنے گھر کی ان آخری خوشیوں کو بھرپور انداز میں منانے کے بارے میں سوچا تھا۔

مرجان ڈرائیور کے ہمراہ مومن کو سکول سے لینے گئی تھی۔ فیضہ اور زینب بھی ان کے ہمراہ شہر گئی تھی۔ شاپنگ کی غرض سے دونوں طرف شادی کی زور و شور سے تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ صبیر ان دنوں بہت کم کم گھر میں آتا تھا وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا حالانکہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے والی تھی۔

شادی سے دو تین دن پہلے زینب نے حویلی میں فیضہ سے بات کرنے کی غرض سے فون کیا مرجان بی بی اور فیضہ ان دنوں گھن چکر بنی ہوئی تھیں آج بھی وہ دونوں شہر روانہ ہو چکی تھی زینب بار بار فون کر رہی تھی مگر دوسری طرف بزی کی ٹون سنائی دیتی۔ تنگ آ کر فون رکھنے ہی والی تھی، جب صبیر کی آواز ایئر پیس میں سے ابھری۔

"ادی فیضہ سے بات ہو سکتی ہے" زینب نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر شرارت سے کہا۔

''ادی فیضہ کے علاوہ کسی سے بات نہیں کر سکتے''

زینب کو محسوس ہوا تھا کہ صبیر کی آواز بھاری بھاری سی ہے۔

''ادی کے دیور کے علاوہ سب سے بات کر سکتی ہوں'' وہ کھلکھلائی۔

''تو پھر آج جی بھر کے باتیں کر لو''

''کیوں تم کہیں پردیس جانے والے ہو؟'' زینب نے شرارت سے پوچھا۔

''شاید......'' وہ ہنکارا سا بھر کے خاموش ہو گیا تھا۔

''مجھے ساتھ لے کر نہیں جاؤ گے؟''

''تمہیں تو عالم بالا میں بھی ساتھ لے جاؤں گا'' وہ غیر سنجیدہ نہیں تھا۔ زینب اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ ویسے بھی ملن کے دن قریب تھے اور ان کے انگ انگ سے سرشاری کی لہریں پھوٹ رہی تھیں۔

''کیوں اکٹھے مرنے کا ارادہ ہے'' زینب نے مسکراہٹ روک کر پوچھا۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ بعض گھڑیاں قبولیت کی ہوتی ہیں۔

''ہم ہنی مون کیا پیراڈائز میں منائیں گے'' وہ معصومیت سے بولی۔

''آج چار بجے جھیل پر جاؤں گا کیا تم آؤ گی'' صبیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں، آ جاؤں گی'' زینب نے فوراً ہی ہامی بھر لی۔

''ٹھیک ہے میں تمہارا انتظار کروں گا'' صبیر نے فون رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیں تھیں۔ وہ چار بجے سے کچھ پہلے ہی نکل آیا تھا۔ جھیل کنارے ایک قطار میں لگے بڑے درخت کس قدر اداس لگ رہے تھے۔ ناریل اور شہتوت کے درختوں سے گویا لہو ٹپک رہا تھا۔ رات کی رانی، سورج مکھی کو منہ موڑتا دیکھ کر کرلانے لگی تھی اور پھر صبیر نے دیکھا کہ اس کا پھول پھول مرجھا کر شاخوں سے گر رہا ہے۔

جھیل کی دائیں جانب سیاہ چادر میں لپٹی زینب دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اوپر آ رہی تھی۔ صبیر کے قدم اسی طرف اٹھنے لگے۔ اسے یوں لگ رہا تھا زینب نے اپنے گرد سیاہ چادر کو نہیں سیاہ رات کو لپیٹ رکھا ہے یہ رات صبیر اور زینب کی خوشیوں کو نگلنے والی تھی۔

''صبیر! تم وقت کی پابندی کب سے کرنے لگے ہو'' زینب نے قریب آتے ہوئے پھولی سانسوں سے کہا۔

''آغا سائیں سے پوچھ کر آئی ہو؟''

''نہیں، ملیحہ بھابھی کو بتایا ہے''

''یہ لوگ ابھی گئے نہیں'' صبیر نیلے آسمان پر تیرتے بادلوں کو دیکھ کر بول رہا تھا۔

''میرام اور محب تو بورڈنگ میں ہیں اور بھابھی کا بچوں کے بغیر دل نہیں لگتا۔ اس لیے زیادہ شہر میں ہی رہتی ہیں۔ اب تو خیر شادی کے سلسلے میں آئی ہیں'' وہ کچھ شرمائی شرمائی سیدھا دل میں اتر رہی تھی۔ صبیر نے نگاہ چرالی۔

''میری ادی کو بھیج دو اب...... کچھ میکے والوں کا بھی ان پر حق بنتا ہے'' وہ مصنوعی خفگی سے کہہ رہی تھی۔

''ان کے بغیر گھر کا نظام نہیں چل سکتا''

''کیوں مرجان بی بی کہاں ہے'' زینب نے تنک کر پوچھا۔

''مہر ماہ اسے کچھ کرنے ہی نہیں دیتی۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ بی بی ہر وقت اسے اٹھائے رکھے'' صبیر نے دھیرے سے بتاتے ہوئے زینب کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بہت پیار آ رہا ہے'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔

''دل چاہ رہا ہے تمہیں دل میں اتار لوں۔ تمہاری چمکتی آنکھوں کو ستاروں سے بھر دوں۔ میرا جی چاہتا ہے تمہارے رخساروں کی سرخیاں برقرار رہیں۔ میرا ساتھ ہو یا نہ ہو، تمہارے بخت کا ستارہ ہمیشہ روشن رہے۔ یہ میں نے تمہارے لیے گلے کا ہار خریدا تھا۔ یہ پہن لو، ہمیشہ میری یاد دلائے گا تمہیں'' صبیر نے ایک مخملی ڈبیا جیب میں سے نکال کر زینب کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ زینب جو گم صم سی کھڑی تھی ایک دم چونک سی گئی۔

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو صبیر! یہ تحفہ تم دو دن بعد بھی تو مجھے دے سکتے ہو''

''آج میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔ میں نے کبھی تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں سوچا'' وہ زینب کی بات سنی ان سنی کر کے بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''میں رہوں یا نہ رہوں تمہیں بہت خوش رہنا ہے، ہمیشہ''

''تم نے مجھے یہاں اپنی فضول باتوں سے دہلانے کے لیے بلایا ہے'' ام زینب کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھری آئیں۔

''میں چاہتا ہوں تمہاری آنکھ میں کبھی آنسو نہ آئے'' وہ زینب کے گال پر پھسلتا موتی اپنی انگلی کی پور میں سمیٹ کر بولا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ شاد رہو'' صہیر نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ چند سال بعد تمہیں یاد بھی نہ رہے کہ تمہاری زندگی میں کبھی صہیر نام کا کوئی مرد تھا میں وہ ناسور ہوں جو ام زینب کی مسکان کو دیمک کی طرح چاٹ لوں گا' اس کی آنکھوں کی روشنیوں کو نگل لوں گا''

صہیر اب زیر لب نجانے کیا کیا بڑبڑا رہا تھا۔ زینب کا دل کہیں پاتال میں لمحہ بہ لمحہ گزر رہا تھا۔ وہ ساکت سی صہیر کی آنکھ میں اترتی نمی کو دیکھتی رہی۔

☆☆☆

جس طوفان کی آمد کا دھڑکا فیضہ کو پورے دل سے خوش نہیں ہونے دیتا تھا وہ طوفان پورے جلال کے ساتھ دونوں حویلیوں کو تہس نہس کر گیا۔

آج شام کو صہیر اور ام زینب کی مہندی کا فنکشن تھا دن بھر کس قدر مصروفیت رہی تھی۔ رات کو مرجان بی بی مہر ماہ کی ننھی کلائیوں میں چوڑیاں پہنا رہی تھی۔ اس نے خود کو بھی خوب سجایا تھا۔ ثریا جہاں نے اپنا روایتی لباس پہن کر فیضہ کے ہاتھ میں اپنے خاندانی کڑے تھما دیئے۔ اپنی دونوں پوتیوں کے گلے میں سونے کی زنجیریں ڈالیں۔ برقی قمقموں سے سجے گھر کو بچے بہت اشتیاق سے دیکھ رہے تھے۔ ڈھولک کی تھاپ دور دور تک سنائی دے رہی تھی کہ اچانک نجانے کہاں سے عجیب سا شور اٹھا۔

''ام زینب نے خودکشی کر لی ہے۔ ام زینب مر گئی ہے سبطین شاہ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی نے خود کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا''

''کیا بکواس ہے؟'' فیضہ کی چلاتی آواز نے بچوں کو سہما ڈالا تھا اور ادھر مہند عباس کے ہاتھ سے نوٹوں سے بھرے لفافے زمین پر گر گئے۔

''کہہ دو یہ جھوٹ ہے'' وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔ ان کے حواس کھونے لگے تھے۔ مہند نے بڑے حوصلے اور ضبط کا مظاہرہ کر کے فیضہ کو دونوں کندھوں سے تھاما۔

''مہند! زینب مر گئی ہے'' ان کی سرگوشی نما آواز نے مہند عباس کے دل کو زخم زخم کر دیا تھا۔ اردشیر کی بادامی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ اس نے طیش کے عالم میں پسٹل لوڈ کیا اور

روتی چلاتی عورتوں کی بھیڑ چیرتا باہر کی طرف نکلتا چلا گیا۔ اس کے کانوں میں بین کی آوازیں تھیں۔ عورتوں کی چیخ و پکار اور باپ کا غم کے بوجھ سے نڈھال چہرہ...... جھکی ہوئی کمر اور بوڑھی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں۔

اس کا رخ ڈیرے کی طرف تھا۔ اس کے اندازے کے عین مطابق صہیر ڈیرے کی عالی شان عمارت میں موجود تھا اس تک زینب کی خودکشی کی خبر ابھی نہیں پہنچی تھی شاید ڈیرے کے ملازمین نے اردشیر کو وحشت کے عالم میں صہیر کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس نے زوردار ٹھوکر سے کمرے کا دروازہ توڑ دیا تھا۔ گل خان اور خیر دین خوف سے تھرتھرانے لگے۔

''کیا کہا تھا تم نے زینب کو...... وہ تم سے ملنے کے لیے گئی تھی نا'' وہ بھوکے زخمی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ صہیر اطمینان کے عالم میں کرسی پر جھولتا رہا۔ گویا اسے یقین تھا کہ اردشیر ضرور غصے سے بھناتا ہوا آئے گا۔

''بڑی جلدی آن پہنچے ہیں اردلالہ! آپ میرے اندازے کے مطابق آپ کو سوا سات بجے آنا چاہیے تھا''

جواباً اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ اردشیر کے اندر سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔

''بتا خبیث! کیا کہا ہے تو نے زینب سے''

''گالی مت دینا لالہ!'' اس نے انگلی اٹھا کر گویا وارننگ دی تھی۔

''اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو'' اردشیر نے پستول نکال کر صہیر کے دل کا نشانہ لے لیا تھا۔ صہیر برابر کرسی جھلاتا رہا۔

''بہت ذلت محسوس ہو رہی ہے نا! شادی کے کارڈ بٹ چکے ہیں اور میں نے بارات لانے سے انکار کر دیا ہے۔ ایسی ہی ذلت سے میری آپا بھی گزری تھیں۔ جب آپ نے انہیں دو خاندانوں کے سامنے رسوا کر دیا تھا۔ کسی عورت کو ٹھکرا دینے کی توہین اور ذلت کے عذاب اپنی بہن سے پوچھیے گا'' صہیر نے نفرت سے کہا تھا اور زمین پر تھوک دیا۔

اردشیر کو لگا تھا کہ وہ پورے قد سے زمین بوس ہو جائے گا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے زینب کا زرد چہرہ اور تڑپتا ہوا وجود گھومنے لگا۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ اس کے سامنے ہی جھیل تک گئی تھی اور پھر واپس کیسے لڑکھڑاتے قدموں سے آئی۔

وہ لان میں بیٹھا تھا۔ زینب کو آتا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''کیا بات ہے زینب'' اس نے زینب کو روکنا چاہا تھا مگر وہ سنی ان سنی کر کے اندر کی طرف بھاگ گئی۔ اس نے دیکھا کہ زینب کا وجود جھٹکے کھا رہا ہے۔ کسی انہونی کے احساس نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس کے پیچھے گیا۔

''زینو! کہاں جا رہی ہو؟'' اسے اپنے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ سرعت سے اسے پکڑنے کی غرض سے زینب کے پیچھے لپکا۔ دوسرے ہی پل زینب کا بازو اس کے ہاتھ میں تھا۔

''کیا بات ہے گڑیا'' وہ پریشان سا پوچھنے لگا۔

''مت ہاتھ لگائیں مجھے۔ نفرت ہے مجھے آپ کے وجود سے'' زینب نے چلا کر کہا۔

''زینی! پاگل ہو گئی ہو'' اردشیر نے خفت سے اسے ڈپٹا۔

''ہاں، پاگل ہو چکی ہوں...... آپ کے جرم کی سزا سن کر آ رہی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے نہ ماتم کروں نہ چیخوں نہ چلاؤں''

''میں کچھ سمجھا نہیں۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟'' اردشیر نے اسے غصے کے عالم میں جھنجوڑ دیا۔

''صبیر نے اپنی بہن کے ٹھکرائے جانے کا بدلہ مجھ سے لیا ہے۔ وہ کبھی بھی بارات نہیں لائے گا۔ وہ کبھی بھی آپ کی زینب کو بیاہنے نہیں آئے گا۔ دوسروں کی بیٹیوں پر ظلم ڈھاتے ہوئے کبھی اپنے آنگن کی طرف بھی دھیان دے لینا چاہئے۔ آپ کی وجہ سے ثمر آپا کی زندگی دوزخ بنی رہی۔ وہ ایک بے جوڑ شادی کو نباہنے پر مجبور ہوئیں۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا، مگر مجھے بھی اس ہجر کی آگ میں جلنا ہے جس میں ثمر آپا جلتی رہیں...... اور میں اس ذلت اور اس رسوائی کا سامنا نہیں کر سکتی۔

میں ثمر آپا کی طرح بہادر نہیں ہوں۔ میں بہت بزدل ہوں لالہ! میں صبیر کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ خود بھی اپنی لگائی آگ میں جلے گا اور مجھے بھی جلاتا رہے گا اور میں''

آنسوؤں کا گولا اس کے حلق میں پھنس چکا تھا۔ وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں طے کرنے لگی تھی۔ وہ اک پل کے لیے رکی اور پلٹی تھی۔

''آپ کی وجہ سے مہند عباس کو اپنے گلے میں مجبوری کا طوق ڈالنا پڑا تھا، ورنہ وہ تو کسی اور کو چاہتا تھا'' وہ تنفر سے اردشیر کی طرف دیکھتی اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی اور وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر تھکنے لگا۔

''زینب! دروازہ کھول دو، میں تمہیں سچائی بتاتا ہوں'' اس کی آواز زینب تک پہنچتی بھی کیسے، وہ تو نیند کی گولیاں نگل چکی تھی ہمیشہ کے لیے سونے کی غرض سے اردشیر کو لگا تھا کہ اب کہ خسارے اسی کا نصیب ہیں۔

''میں نے تمہاری بہن کو نہیں بلکہ اس نے مجھے ٹھکرایا تھا۔ یہ تحریر تمہاری بہن کی ہے۔ ضرور پہچان لو گے۔ وہ اپنے سے نو سال چھوٹے کزن مہند عباس کے عشق میں گرفتار تھی۔ میں نے صرف اپنی ہی نہیں تمہاری بہن کی عزت کو بھی اپنے انکار میں محفوظ کر لیا تھا۔ ورنہ شاہوں کی بیٹیوں کی داستانیں سربازار ہر ایک کی زبان پر ہوتیں۔ تمہاری بہن نے شادی کی، اس کے بچے بھی ہوئے اور وہ عزت کی موت مری جبکہ میری ام زینب نے خودکشی کر لی ہے وہ تمہاری جدائی سے بہتر موت کو سمجھتی تھی سو اس نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لی ہیں۔ کل ہم نے اسے تمہارے ہمراہ سرخ لباس میں رخصت کرنا تھا۔ آج اسے سفید کفن پہنا کر رخصت کر دیا جائے گا۔ تم اپنی انا اور نام نہاد غیرت کی قبر پر فتح کے جھنڈے گاڑ لو''

اردشیر کے ہاتھ سے پستول گر چکا تھا۔ وہ ڈیرے کی طویل راہداریوں سے گزرتا ہوا لرزتے قدموں سے شہر خموشاں کی طرف چلا گیا، جہاں ام زینب کو دفن کرنے کے انتظامات ہو رہے تھے۔

''زینب نے خودکشی کر لی'' صبیر کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ وہ ایک دم بھاگتا ہوا باہر کی طرف لپکا اور پھر اس نے چیخ چیخ کر اردشیر کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

''زینب نہیں مر سکتی لالہ! کہہ دیں یہ سب جھوٹ ہے'' اردشیر پلٹ آیا تھا اور اب صبیر اسے جھنجوڑتے ہوئے چلا رہا تھا۔ پھر صبیر نے جھک کر زمین سے فل لوڈ پستول اٹھا لیا۔

☆☆☆

ساری رات سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھتے گزر گئی تھی۔ اگلی صبح بہت سی اداسیاں سمیٹے طلوع ہوئی۔ نانا جان نے فیصلہ سنا دیا تھا پھر کس کی جرأت تھی کہ کوئی اختلاف کرتا۔ وسیع رقبے پر پھیلے دو باغات اور خاندانی قیمتی زیور میں سے مہر ماہ کا حصہ الگ کر دیا گیا۔ یہ ان کی خاندانی روائیت تھی جو پشت ہا پشت سے چلی آ رہی تھی۔ بیٹیوں کو ان کا حق بغیر کسی لڑائی جھگڑے یا تکرار کے نکاح کے وقت ہی دے دیا جاتا تھا۔

گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ مہر ماہ نوٹ کر رہی تھی کہ مرجان بی بی

نہ جانے کس الجھن میں ہیں۔ جس عورت نے انہیں ماں سے بھی بڑھ کر پیار دیا تھا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر لوریاں سنائی تھیں، اس سے محبت ایک فطری سی بات تھی اور اس کی زبان سے نکلے لفظ مہر ماہ کے لیے حکم کا درجہ رکھتے تھے۔ اسے بی بی سے بہت محبت تھی اس طرح مومن بھی انہیں بہت چاہتا تھا۔ اس کے بابا جان سے بہت سے اختلافات تھے مگر بی بی کے سامنے وہ کبھی اونچی آواز میں بھی نہیں بولے تھے۔

مہر ماہ جانتی تھی کہ بی بی بھی اس نئے رشتے کے حق میں نہیں تھی مگر نانا جان کے سامنے آواز بلند کرتا بھی کون؟ وہ شروع سے ہی بڑی حویلی والوں کے لیے دل میں کینہ رکھتی تھیں۔ مہر ماہ باغ میں ٹہلتی ہوئی اپنے پورشن کی طرف آ گئی تھی۔ دس سال پہلے بابا جان نے حویلی کے دائیں جانب جدید طرز کا اپنا ذاتی پورشن تعمیر کروایا تھا۔

مہر ماہ نے لاؤنج میں قدم رکھا تو بی بی کی بلند آواز سن کر ٹھٹک گئی۔

''اپنی بیٹی کو سولی پر چڑھانے سے بہتر ہے اس کا خود اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ دیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کے اردشیر کے بیٹے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ میری مہرو کسی خاندانی سازش کا شکار نہیں ہوگی'' بی بی تنہا ہی اس کا مقدمہ لڑ رہی تھیں۔

''آپ تو ہیں ہی بے حس۔ ساری زندگی بچی سے کبھی پیار کے دو بول نہیں بولے۔ کبھی شفقت سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ نہیں رکھا۔ کیا اس لیے کہ وہ ثمر آپا کا پرتو ہے۔ آپ کو اسے دیکھ کر اپنے نقصان یاد آنے لگتے ہیں۔ میں اپنی بچی کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی ہونے نہیں دوں گی شاہ سائیں کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا'' بی بی نے غصے کے عالم میں اپنی بات مکمل کی۔

''یہ شاہ سائیں کا نہیں پنچائیت کا فیصلہ ہے۔ اور پنچائیت کا فیصلہ ماننا میری مجبوری ہے۔ مجھے اپنی بیٹی سے کیوں نہیں محبت، بات صرف نکاح کی حد تک ہے۔ میں مہرو کو رخصت تو ہرگز نہیں کروں گا''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ رخصتی نہیں کریں گے، جبکہ فیضہ بھابھی تو رخصتی کا جوڑا بھی لے آئی ہیں'' بی بی کے لہجے میں پریشانی کا عنصر نمایاں تھا۔

''وہ میرا ہیڈک ہے'' وہ اخبار اٹھا کر اٹھ گئے تھے۔ اماں فیضہ جہیز کی تیاریاں خوب جوش و خروش سے کروا رہی تھیں۔ خاندان بھر میں سب کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ سید عبدالوہاب شاہ کی نواسی کا سبطین شاہ کے پوتے سے جمعہ کے مبارک دن نکاح ہے۔ جس نے بھی سنا گویا

دنگ رہ گیا۔ صلح کے ساتھ اس نئی رشتہ داری نے سب کے دلوں میں رشک اور حسد کے جذبات موجزن کر دیئے تھے۔

جس دن بڑی حویلی والے باقاعدہ تاریخ طے کرنے کے ساتھ شگون کے طور پر چھوٹی سی رسم کرنے کے لیے آئے اس دن بڑی حویلی والوں اور مومن کے دوستوں نے فضا میں فائرنگ کر کے بھرپور خوشی کا اظہار کیا۔

دبیز قالین پر ٹہلتے ہوئے مہر ماہ نے ان آوازوں کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ یہ تڑتڑاتی گولیاں فضا میں نہیں اس کے دل میں پیوست ہو رہی تھیں۔ اس نے پانیوں سے لبریز آنکھوں کو مسلا اور دو زانو قالین پر بیٹھ گیا۔

''تو کیا نانا جان نے صبیر ماما کے قاتلوں کو معاف کر دیا ہے یا پھر بھتیجی کی محبت غالب آ گئی ہے''۔

بہت سے سوال ذہن کے دریچوں میں جھانک رہے تھے مگر پوچھنے کی ہمت حویلی کی عورتوں میں سے کسی کی نہیں تھی۔

پشمینہ کہتی تھی کہ مجرم تو ہم ہیں۔ بڑی حویلی والوں کا نقصان تو زیادہ ہوا ہے۔ امت زینب خالہ کی خودکشی، اردشیر ماما کا ایکسیڈنٹ اور اس ایکسیڈنٹ کا ذمہ دار اس کے بابا جان کو ٹھہرایا گیا تھا۔

پشمینہ کے نزدیک اس کے ننھیال والے تو بہت اعلیٰ ظرف تھے جنہوں نے صلح میں پہل کی تھی۔ پرانی دشمنی کو بھلا دیا۔

اور مہر ماہ عباس جانتی تھی کہ کون کتنے بڑے ظرف اور وسیع دل کا مالک ہے یہ صلح اچانک اُمڈ آنے والی محبت اور اپنی غلطیوں کے احساس ہو جانے کے باعث نہیں ہوئی تھی۔ وجہ تو کچھ اور تھی جس سے سب ناواقف تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ مہند عباس کس طوفان کی لپیٹ میں آنے والے ہیں۔ بڑی حویلی والوں نے بدلہ چکانے کا ایک الگ طریقہ سوچا تھا۔ اب کے وار کرنے والا کوئی اور تھا۔ جس کی آن بان اور وجاہت کے چرچے تھے۔ جس کی سحر طراز آنکھوں اور پر غرور مسکراہٹ کو دیکھ کر وہ کانپ اٹھی تھی۔ جو قول کا پکا اور وعدے کا سچا تھا۔ اور جس نے گھنے درختوں کے جھنڈ کے نیچے سبز پہاڑ سے اترنے والے ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے کے پاس کھڑے ہو کر تفخر بھری مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تھا ''تم اگلے کچھ دنوں میں میرام شاہ کی خواب گاہ میں ہوگی''

''ہم اپنے دشمنوں کو دہلیز کے پار نہیں اترنے دیتے۔ بڑے شاہوں نے نجانے کون کون سی خوش فہمیاں پال رکھی ہیں'' وہ میرام شاہ کے تکبرانہ جملے اور غرور پر جلبلا اٹھی۔

''تم میرے ارادوں کی پختگی کے متعلق جانتی نہیں ہو'' میرام شاہ جگر جگر کرتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''جو آپ چاہتے ہیں ایسا تو قیامت تک سوچیے گا بھی نہیں'' وہ تنفر سے بولی۔

''ہم سوچنے میں وقت ضائع کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ ہم تو عمل کرتے ہیں'' میرام شاہ کے لبوں پر ایک دفعہ پھر سے مسکراہٹ چمکی۔

''بہت غرور ہے خود پر''

''نہیں، اسے اعتماد کہتے ہیں۔ آپ بہت غلط جج منٹ کرتی ہیں'' وہ برجستہ بولا۔

''زیادہ اوور اسمارٹ مت بنیئے۔ کہیں منہ کے بل گر نہ جایئے گا'' مہر ماہ نے طنزیہ کہا ''ہم گریں گے اور آپ سنبھال لیں گی۔ اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوگی'' وہ اس کے طنز کو شہد کا جام سمجھ کر پی گیا تھا۔

''کبھی بھول کر بھی ایسا ویسا مت سوچنا'' مہر ماہ نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔

''میرام شاہ کی نگاہ میں جو ایک دفعہ اتر جائے، وہ ہمیشہ کے لیے مقید ہو جاتا ہے ایک بات ذہن نشین کر لینا مہر ماہ عباس! تم پر میرے نام کی مہر لگ چکی ہے اور میں اپنی عزت کسی اور کے حوالے کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا ہمیں اپنی عزت اور غیرت جان سے بھی عزیز ہے'' وہ اسے بہت کچھ جتا چکا تھا ''آپ بھول رہے ہو شاہ! کہ کس سے مخاطب ہو''

''جانتا ہوں کہ تم مہند عباس کی نور نظر ہو'' اس کے چہرے کا رنگ یک لخت بدل گیا تھا۔ آنکھیں خون چھلکانے لگیں۔ گلابی لب بھینچ گئے تھے۔ مہر ماہ کا سانس حلق میں ہی اٹک گیا تھا۔ اس کے خون آشام لہجے میں نجانے کیا بات تھی کہ مہر ماہ کو زمان و مکاں بھول گئے۔ وہ الٹے قدموں تقریباً بھاگتے ہوئے حویلی پہنچی تھی۔ اکھڑی سانسیں ہموار کرتے ہوئے وہ ابھی تک شاک کی کیفیت میں پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سبطین شاہ کے گھر کے کسی فرد سے ہم کلام ہو کر آ رہی ہے۔

ٹھیک دو دن بعد سبطین شاہ کی طرف سے آنے والے صلح کے پیغام نے اس کے حواس معطل کر دیے تھے۔ یہ صلح کا پیغام نہیں تھا بلکہ موت کا پروانہ تھا مہر ماہ کے لیے۔ اسی راضی نامے کی آڑ میں میرام شاہ کون سا بدلہ لینا چاہتا تھا کیا وہ بھول سکتا تھا اپنے باپ اور ماں کے خون سے لت پت بے جان جسموں کو۔ مہر ماہ کے رشتے سے ایک تو اماں فیضہ کے میکے کے دروازے کھل جاتے اور دوسرے شاہ سائیں بڑی حویلی والوں کے احسانوں کے بوجھ سے زیر بار ہو جاتے۔ ایک تیر سے دو شکار کرنا اسے ہی کہا جاتا ہے۔ وہ میرام شاہ کی حکمت عملی منصوبہ سازی، دوسرے معنوں میں عیاری اور مکاری کی دل سے قائل ہو گئی تھی۔ اس نے جو بھی منصوبہ بنایا تھا ابھی تک کامیاب جا رہا تھا۔

شاہ سائیں ان کی نیتوں سے ناواقف اپنا فیصلہ سنا چکے تھے حتیٰ کہ بابا جان کی سخت برہمی، ناراضی اور غصے کا بھی انہوں نے نوٹس نہیں لیا تھا۔ پہلی بار بابا جان اور شاہ سائیں کے درمیان اک سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔

اس صبح بھی بابا جان اور شاہ سائیں کے درمیان تکرار ہونے لگی تھی شاہ سائیں اس موضوع پر سرے سے گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ بابا جان کا چہرہ توہین کے احساس سے یک لخت سرخ ہو گیا۔ یہ یقین کامل تھا کہ بابا جان اسے جلتی بھٹی میں ہرگز نہیں جھونکیں گے۔

اس رات وہ بہت مطمئن سی مزے سے سوتی رہی تھی۔ اک طویل نیند نے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ اتنے دنوں کی بے چینی کا اثر بھی زائل ہونے لگا۔ بابا جان کی آمد کے ساتھ ہی تمام پریشانیاں اڑن چھو ہو گئیں وہ پچھلے دو روز سے فیکٹری کے لیے کچھ نئی مشینیں خریدنے کی غرض سے شہر گئے تھے۔

ان کی واپسی کے ساتھ ہی گھر کی فضا مکدر ہو گئی تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر پھر سے بحث چھڑ گئی۔ بابا جان، شاہ سائیں کو ان کے ارادے سے باز رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ فیضہ کے چہرے پر ناگواری کے سائے بڑھتے چلے گئے۔

''مہر ماہ خون بہا میں جائے گی۔ خون بہا میں دی جانے والی بیٹیوں کا تعلق میکے سے ختم کروا دیا جاتا ہے۔ آپ نے ہر پہلو پر یقیناً سوچ رکھا ہے'' بابا جان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ شاہ سائیں ایسے خاموش بیٹھے تھے، جیسے یہاں موجود ہی نہیں تھے۔

''مثبت ہو کر سوچو مہند! ابا جان تمام کدورتیں اور رنجشیں بھلا کر اپنے بڑے بھائی کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے بہت چاہ سے مہر ماہ کو مانگا ہے تم بھی فراخ دلی کا ثبوت دو اور پھر میرام شاہ سے مہر ماہ کی شادی تو ایک اعزاز ہے تم بھی تو میرام کی شخصیت سے اچھی طرح واقف ہو''

اماں فیضہ نے نہایت تحمل سے گفتگو کا آغاز کیا۔ ان کے نرمی سے جتانے پر ہی اس رشتے سے انکاری تھے۔ وہ دوسرا اردشیر تھا۔ ویسا ہی اکھڑ اور مغرور۔

''آپ تو یقیناً خوش ہیں۔ میکے والوں سے ملاقات کے بہانے مل جائیں گے'' ان کا تنفر لہجے سے عیاں تھا۔ زہر میں بجھے الفاظ سن کر شاہ سائیں گویا سناٹے میں رہ گئے ان کے چہرے پر شدید برہمی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

''مہمند......'' وہ سخت لہجے میں گویا ہوئے۔ کس لہجے میں بات کر رہے ہو فیضہ سے'' انہوں نے ناگواری سے ٹوکا۔

''تم بھی اچھی طرح سے جانتے ہو کہ یہ پنچائیت کا فیصلہ ہے، اگر تمہیں اپنی بیٹی سے محبت تھی تو تمہیں اسی وقت خود کو پیش کر دینا چاہئے تھا اور پھر تمہارے سب خدشات بے بنیاد ہیں'' انہوں نے دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے گفتگو کو سمیٹا بابا جان غصے کے عالم میں اٹھ کر باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

ڈائننگ ہال خالی ہو چکا تھا شاہ سائیں اٹھے تو تقریباً سب ہی نے ان کی پیروی کی۔ مہر ماہ نے سر اٹھا کر دیکھا وسیع وعریض میز کے گرد رکھی کرسیاں خالی تھیں۔ مہر ماہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ نانا جان کے حکم کے مطابق وہ آج کل گھر میں ہی مقید تھی۔ کالج جانے سے انہوں نے منع کر دیا تھا۔ پلنگ پر بکھری کتابوں کو اٹھاتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

اسی پل دروازے پر دستک ہونے لگی تھی۔ اس نے چہرہ صاف کر کے لاک کھولا۔ سامنے مرجان بی بی کھڑی تھیں۔ وہ انہیں راستہ دینے کی غرض سے سائیڈ پر ہوگی۔ انہوں نے بغور کمرے کی بے ترتیبی کو دیکھا اور پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

''پڑھ رہی تھیں؟''

''نہیں......'' وہ مختصر بولی تھی پھر اٹھ کر بک ریک میں ترتیب سے کتابیں رکھنے لگی۔

''تمہارے مستقبل کا فیصلہ ہو چکا ہے تم یقیناً باخبر ہو چکی ہو'' کمرے میں پھیلی گھمبیر خاموشی کو مرجان بی بی کی آواز نے توڑا۔ ان کے چہرے پر تفکرات کا جال سا بن گیا تھا۔ مہر ماہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا وہ کافی بے چین نظر آ رہی تھی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے بی بی!''

''ہوں......'' انہوں نے ہنکارا بھرا۔

''مومن لالہ کب آئیں گے؟''

''پتا نہیں، رات کو بات ہوئی تھی میری اس سے۔ آنے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا'' انہوں نے غائب دماغی سے جواب دیا۔

''بی بی! لالہ کی بھی یہی خواہش ہے وہ نانا جان کی فیصلے سے مطمئن ہیں اور انہیں خبر ہے کہ میں اور بابا جان رضامند نہیں'' مہر ماہ آہستگی سے بولی۔

''اسی لیے وہ تم سے اور مہمند سے خفا ہے۔ فون پر بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتا''

''میں جانتی ہوں'' اس کی آنکھیں پھر سے لبالب بھر گئیں۔

''شاہ سائیں کچھ ٹھیک نہیں کر رہے۔ تمہارے بابا سخت پریشان ہیں۔ انہیں فیصلہ منظور نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں تم سے بات کروں'' بی بی نے دھیمی آواز میں کہا۔ وہ کچھ حیران سی انہیں دیکھنے لگی۔

''کیسی بات؟'' مہر ماہ تعجب سے بولی۔

''یہی کہ تم انکار کر دو'' مرجان بی بی نے گویا اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی۔

''انکار کر دو......یعنی کہ بغاوت'' وہ خوف زدہ سی بڑبڑائی۔

''تمہارے بابا یہی چاہتے ہیں'' مرجان بی بی اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے سرگوشیانہ بولی تھیں۔ مہر ماہ کو لگا تھا گویا حویلی کی چھت آن کی آن میں اس کے اوپر آ گری ہے۔

''نانا جان کے سامنے سر اٹھاؤں'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بے یقینی سے بولی۔

''میں ایسا نہیں کر سکتی بی بی اماں! کبھی نہیں'' سختی سے کہتے ہوئے وہ بے قراری سے کھڑی ہوگئی۔

''اماں! نانا جان میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ اور پھر اگر پنچائیت نے وعدہ نہ پورا کرنے کی صورت میں کوئی اور فیصلہ بابا جان کے لیے سنا دیا تو'' اس پہلو پر تو مرجان بی بی نے بھی نہیں سوچا تھا کچھ پل کے لیے وہ بالکل خاموش رہ گئیں۔ مہمند کو داؤ پر لگانا تو کبھی بھی گوارا نہیں کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

سیاہ آسمان کے وسط میں چمکتے چاند کو دیکھ کر اس نے کتنی ہی مرتبہ نانا جان کے بند

کمرے کی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس سے ایک قدم بھی نہیں چلا جا رہا تھا۔ وہ خود میں کیسے ایسی ہمت پیدا کر لیتی، جو حویلی کے در و دیوار ہلا ڈالتی۔

بی بی اماں نے جو اسے راہ دکھائی تھی، بظاہر وہ کٹھن لگتی تھی مگر آئندہ آنے والی زندگی کی کٹھنائیوں سے زیادہ مشکل نہیں تھی مگر وہ کیسے نانا جان کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت کرتی۔

بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے پشمینہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ خود کو مضبوط کرتی پشمینہ کے کمرے میں چلی آئی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ تم بھی حجرے سے باہر نکلی ہو۔ آج تو ہماری عید ہوگی ہے'' پشمینہ اپنے برابر میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ بولی۔

''میں نے سوچا ہے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ حالات کا مقابلہ کرنا چاہئے''۔

''آپ اتنی بہادر کیسے ہوگئی ہیں؟'' پشمینہ نے ایک مرتبہ پھر طنزیہ کہا'' لگتا ہے بی بی نے اچھی طرح سمجھا بجھا کر بھیجا ہے''

''تم لوگ بی بی اماں سے اتنے بدگمان کیوں ہو؟'' مہر ماہ نے ناگواری سے ٹوکا۔

''نہیں، تم غلط سمجھ رہی ہو۔ ہم ان سے بدگمان نہیں ہیں۔ ایک لحاظ سے ان کے خدشات درست بھی ہیں۔ ان کی سوچ ایک ماں کی سوچ ہے'' پشمینہ نے فراخ دلی سے انہیں سراہا اور بولی'' بہر حال ان کی تم سے محبت پر شک نہیں کیا جاسکتا''

''اسی لیے میں نے ایک فیصلہ کیا ہے'' وہ بہت دیر سوچنے کے بعد بولی۔

''کون سا فیصلہ؟'' پشمینہ چونکی۔

''میں نانا جان کے سامنے انکار کردوں گی'' اس نے دل کڑا کر کے بالآخر کہہ ہی دیا۔

''کیا.....؟'' پشمینہ کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑنے لگے تھے۔

''تم پاگل ہو چکی ہو...... انکار کرو گی۔ دادا سائیں کے سامنے سر اٹھاؤ گی۔ تمہیں حویلی کی عزت اور وقار کا قطعاً احساس نہیں۔ اور پھر پنچائیت نے اگر تمہارے بابا جان یا پھر مومن کو سزا سنادی۔ تم آخر کیا کرنا چاہتی ہو؟'' پشمینہ کی آواز صدمے سے پھٹ سی گئی تھی۔

''خون بہا میں ''عورت'' یا پھر زمین ہی کیوں دی جاتی ہے اصل مجرم کو سزا ملنی

چاہئے'' مہر ماہ بے خوف سے بولی۔

''تو پھر اپنے بابا جان کو سزا سنوا دو''

''میرے بابا جان بے گناہ ہیں۔ اس حادثے کو خوامخواہ قتل کا نام دیا گیا ہے۔ میرے بابا کے دشمنوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہوگا'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا اور مزید بولی۔

''بابا نے پنچائیت کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ اس ایکسیڈنٹ میں ان کا عمل دخل نہیں۔ اردشیر ماما کی گاڑی میرے بابا کی جیپ سے ٹکرائی تھی اور پھر لڑھکتی ہوئی کھائی میں گر گئی۔ مگر ان کی سچائی کو جھوٹ پر مبنی کہاوت سمجھا گیا تھا، کیونکہ ان دنوں اردشیر ماما پر صہبیر ماما کے قتل کا الزام تھا اور سب ہی جانتے تھے کہ بابا جان نے صہبیر ماما کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد قسم کھائی تھی کہ وہ صہبیر ماما کے قاتل کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے۔ جرگے نے اسی قسم کی بنا پر فیصلہ سنایا تھا ورنہ ثبوت تو کسی کے پاس نہیں تھا''

''بہر حال تمہارے بابا نے بھی اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا تھا۔ اگر وہ سچائی پر ہوتے تو خون بہا میں اپنی بیٹی دینے کے فیصلے پر کبھی بھی ہامی نہ بھرتے'' پشمینہ نے سفاک حقیقت بیان کی۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں'' مہر ماہ نے مضبوطی سے کہا۔

''ایک اور بات پر بھی نظر ثانی فرمالیجیے گا محترمہ مہر ماہ صاحبہ! کہ آپ کے انکار کو میرام لالہ اپنی انا کا مسئلہ بنالیں گے۔ بات پھر پنچائیت تک جائے گی۔ بس سال پرانے قصے دہرائے جائیں گے۔ ام زینب خالہ کی خودکشی کے پیچھے کیا وجہ تھی۔ ایک دفعہ پھر شاہوں کی حویلی کی باتیں پنچائیت اور جرگوں میں کی جائیں گی اس گھر کی بات کو چار دیواری میں ہی نمٹ جانے دو۔ ورنہ سوائے رسوائی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا''

پشمینہ تلخی سے کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ وہ زرد چہرے لیے پسینے سے شرابور ابھی تک سر جھکائے وہیں دو زانو بیٹھی تھی، جب پشمینہ کارڈلیس ہاتھ میں پکڑے پھر سے آگئی۔

''لو بات کرو مومن سے'' کارڈلیس زبردستی اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اس نے انتہائی کٹیلی نگاہوں سے مہر ماہ کو گھورا۔

''ہیلو.....'' اس نے ڈرتے ڈرتے دبی آواز میں ہیلو کہا تھا جواباً مومن آگ بگولا ہو کر چلایا۔ وہ کافی دیر گرجتا رہا برستا رہا۔ جب دل کی بھڑاس نکل گئی تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

جب مومن خاموش ہوا تو غصے سے چلا اٹھی۔

''لالہ! میں مٹی کی مورت نہیں ہوں۔ میرے بھی کچھ خواب ہیں۔ کچھ خواہشات ہیں''

''حویلی میں پیدا ہونے والی عورتیں نہ خواہشیں پالتی ہیں، نہ خواب دیکھتی ہیں۔ ہمارے خاندان میں دور نزدیک کوئی بھی تمہارے جوڑ کا نہیں ہے۔ تم جانتی ہو خاندان سے باہر شادی ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ نانا جان نے پشمینہ کی منگنی میرے ساتھ کی تھی اور لغونہ کا نام محب کے ساتھ سنا جا رہا ہے اور اگر تمہاری شادی میرام سے نہ ہوئی تو پھر تا زندگی کے لیے اسی حویلی کے ایک کمرے میں رہنا پڑے گا تمہیں۔ اور اگر ہمارے بابا نہ ہوتے تو اماں کو بھی اردشیر ماما کے ٹھکرائے جانے کے بعد اسی حویلی کے ایک کمرے میں بند رہنا تھا ہمیشہ کے لیے۔ یا پھر تمہارے ساتھ وہ ہی عمل دہرایا جائے گا۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لو، میں اور بھی بہت سی زندہ حقیقتیں تمہیں دکھنا چاہتا ہوں بتانا چاہتا ہوں، مگر شاید ابھی تمہاری آنکھیں کھلنے کا وقت نہیں آیا''۔

وہ بول بول کر تھک چکا تھا اسی لیے اس نے بغیر خدا حافظ کہے فون رکھ دیا۔ وہ گم صم رہ گئی تھی۔ اس کے اندر قیامت کا سناٹا تھا۔ گویا اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس اذیت ناک خاموشی کو بڑی حویلی والوں کی آمد نے توڑا تھا۔

آج سے تین دن بعد اسے نانا جان کی حویلی چھوڑ کے جانا تھا۔ بی بی اماں نے کہا تھا کہ تم صرف نکاح کے لیے رضامندی دینا۔ باقی کا معاملہ وہ خود سنبھال لیں گی۔

☆☆☆

جمعہ کی شام پشمینہ کے ہمراہ دو خوب صورت لڑکیاں ہاتھ میں بھاری بھاری سے شاپرز اٹھائے اندر چلی آئیں۔

''یہ موہیہ اور انیہ ہیں...... میرام لالہ کی بہنیں'' پشمینہ کے تعارف کروانے پر وہ دونوں لڑکیاں مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلی آئی۔ وہ بہت تپاک سے اس سے ملی تھیں۔ کچھ دیر بعد نکاح کی رسم ادا کی گئی تھی۔ اس کے بعد نانا جان اس کے کمرے میں چلے آئے۔

''تم میری ثمر کی نشانی ہو مہر ماہ! میں ہمیشہ تمہیں خوش اور آباد دیکھنا چاہتا ہوں'' انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔ جبکہ مہر ماہ تو بابا جان کا انتظار کر رہی تھی۔ پشمینہ نے اسے بتایا کہ وہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔

''بابا جان کو اس وقت تو یہاں ہونا چاہئے تھا'' اس نے اداسی سے سوچا تھا۔ کچھ دیر

بعد پھر سے موہیہ اور انیہ چلی آئیں۔

''چلیے بھابھی جان! آپ چینج کر کے آئیں...... پھر ہم آپ کو میک اپ وغیرہ کرتے ہیں''۔

''اس سب کی کیا ضرورت ہے؟'' مہر ماہ نے کچھ پریشانی کے عالم میں کہا۔

''کیوں بھئی دولہن تو سرخ سوٹ پہن کر ہی لگیں گی آپ...... جایئے بھی یہ ڈریس زیب تن کر لیجیے'' موہیہ نے کہا تو اندر آتی پشمینہ نے زبردستی اسے واش روم کی طرف دھکیلا۔

''بی بی اماں کہاں ہیں؟'' بھینچی آواز میں بولی۔

''وہ ادھر ہی ہیں انہوں نے کہاں جانا ہے تم ذرا جلدی چینج کر کے آؤ'' پشمینہ نے ایک مرتبہ پھر اسے واش روم کی طرف دھکیلا۔ اسی پل دروازہ کھول کر فیضہ اندر چلی آئی تھیں۔ وہ لب بھینچ کر سر جھکائے واش روم کی طرف گئی۔

''موہیہ اور انیہ نے کچھ تصویریں بنانی ہیں۔ اسی لیے تمہیں تیار کرنا ہے'' وہ باہر آئی تو پشمینہ نے گویا جتا کر کہا۔ انیہ میک اپ کا سامان کھولے بیٹھی تھی۔

وہ خاموشی سے انیہ کے سامنے بیٹھ گئی۔ موہیہ نے اس کی کلائیوں میں چوڑیاں اور گجرے پہنائے۔ پشمینہ نے سر پر دوپٹہ سیٹ کیا۔ وہ آپس میں بہت بے تکلفی سے بات چیت کر رہی تھیں۔

''موہیہ! تمہاری چوائس تو بہت اچھی ہے'' پشمینہ نے دوپٹے میں پنیں لگاتے ہوئے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا تو انیہ جھٹ سے بولی۔

''یہ خالصتاً لالہ کی پسند سے آیا ہے۔ انہیں لہنگے اور گھیر والی فراکیں پسند نہیں ہیں۔ اسی لیے یہ سوٹ خریدا ہے''

''تم سے میری تعریف برداشت نہیں ہوئی'' موہیہ نے انیہ کو آنکھیں دکھائیں۔ اب وہ دونوں سامان سمیٹ کر وسائی کے ہاتھ گاڑی میں رکھوانے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔

''یہ کیا تماشا ہے پشمینہ!'' ان کے اٹھتے ہی وہ زچ ہو کر چلائی۔

''خاموشی سے بیٹھی رہو۔

پشمینہ مسلسل بجتے فون کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ دوسری طرف شاید مومن لالہ تھے۔ پشمینہ نے فون اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ کچھ دیر بات کرنے کے بعد وہ الجھی الجھی سی خدا حافظ

کہہ کر پلنگ پر بیٹھی ہی تھی جب فیضہ بی بی اماں اور نانا سائیں اندر چلے آئے۔

اماں فیضہ کے ہاتھ میں قرآن پاک تھا جو انہوں نے نانا سائیں کے ہاتھ میں احترام سے تھما دیا۔ مہر ماہ کے حواس معطل ہونے لگے تھے کسی انہونی کے خوف نے اسے لرزا دیا تھا۔ اس کا دل خوف کی زیادتی کی وجہ سے پہلو میں کانپ رہا تھا۔ پھر نانا سائیں نے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر نجانے کیا بات کی تھی اسے تو اپنی سماعتوں کے مفلوج ہونے کا خدشہ لاحق ہو گیا تھا وہ کچھ سن نہیں رہی تھی کچھ دیکھ نہیں رہی تھی اور نانا سائیں کے وجود سے اٹھتی محبت کی گرمی۔

وہ ان کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی اور وہ نجانے اسے کہاں لے کر جا رہے تھے پھر نجانے کس نے اس کا ہاتھ تھاما اور کس نے گاڑی میں بٹھایا...... اور گاڑی نجانے کون سی انجانی منزلوں کی طرف رواں دواں تھی...... اس کے ذہن میں صرف ایک ہی سوچ پھن پھلائے بیٹھی تھی۔

''بابا جان اس وقت کہاں ہیں۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ مہر ماہ کو زندان میں قید کیا جانے لگا ہے۔ اسے زندہ درگور کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ اسے پنچائیت کے فیصلے کی بھینٹ چڑھا دیا گیا تھا''

☆☆☆

اسے سبطین شاہ کی حویلی میں نہیں لایا گیا تھا...... یہ ''ملیحہ لاج'' تھا گھر میں ہر طرف خاموشی کا راج...... موبیہ اور رانیہ نجانے کہاں چلی گئی تھیں اسے سٹنگ روم کے ایک صوفے پر بٹھا کر چھوٹے نانا دوسری گاڑی میں تھے اور یقیناً وہ بڑی حویلی میں چلے گئے تھے۔

ایک دم ہی خوف کی تیز لہر اس کے من میں اتری تھی۔ وہ سرعت سے صوفے پر سے اٹھی۔ گلاس ونڈو سے باہر جھانکا، ہر طرف کالی رات نے پھن پھلائے ہوئی تھی۔ وہ خوف زدہ سی پیچھے ہٹی، اتنا بڑا گھر اور وہ بالکل ہی تنہا۔ اسے لگ رہا تھا خوف کے مارے ضرور ہارٹ فیل ہو جائے گا، وہ تو کبھی آج تک تنہا کمرے میں نہیں سوئی تھی۔

سٹنگ روم سے باہر نکل کر وہ کوریڈور میں آئی...... کچن کے برابر بھی سیڑھیاں تھیں۔ ساتھ ایک اور آبنوسی دروازہ تھا۔ وہ پہلے سیڑھیاں چڑھ کے اوپر گئی۔ ہر کمرے میں جھانکا۔ ٹیرس کا دروازہ بھی بند تھا۔ اس کے دل کی رفتار بھی لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی۔ اسی خوف کے زیر اثر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔ پھر کچھ سوچ کر کچن میں جھانکا۔ فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی مگر خوف کی وجہ سے پانی تک نہ پیا گیا۔ وہ بوتل اور گلاس کچن میں رکھ کر باہر نکل آئی تھی۔ ابھی وہ

دوبارہ سٹنگ روم میں جانے کا سوچ رہی تھی جب کچن کے برابر والے بیڈ روم سے کھٹ پٹ کی آواز آئی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ ماتھے پر آیا پسینہ پونچھ کر دل کڑا کیے اس نے دروازے کی ناب گھما کر جوں ہی دروازہ کھولنے کی کوشش کی ایک جھٹکے کے ساتھ خود بخود دروازہ کھلتا چلا گیا۔

اس کے منہ سے برآمد ہونے والی چیخ بھی بے ساختہ تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''کک کچھ نہیں'' وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹی۔

''کچھ چاہیے تھا؟''

''نن نہیں'' مہر ماہ نے پیشانی سے پسینہ پونچھا۔

''پھر کیا کر رہی ہو؟'' وہ مسکرایا۔

''مم...... میں نے سمجھا کہ اس گھر میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں خوف زدہ ہو گئی تھی۔'' مہر ماہ نے ہکلا کر جواب دیا۔

''میں تمہیں آج کی رات تو کم از کم تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا'' میرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''خود ہی بیڈ روم تک آ گئی ہو تو اب دو قدم چل کر بیڈ تک آ جاؤ'' وہ آنکھوں میں شرارت لیے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مہر ماہ کو پہلے قدم پر ہی جھٹکا لگا۔

''رک کیوں گئی ہو آؤ نا'' میرام نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا تھا۔

''یہاں بیٹھو...... میں ایک فون کر کے آتا ہوں'' وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی شاید وہ کھانا لے کر آیا تھا۔

''بھئی تم تو بڑی فرماں بردار ہو۔ جس زاویے پر میں بٹھا کر گیا ہوں اسی جگہ اسی پوزیشن میں بیٹھی ہو'' اس نے ٹرے بیڈ پر رکھ دی تھی۔ اب وہ روم فریج میں سے کولڈ ڈرنک نکال رہا تھا۔

''مہرو......'' بڑے دلار سے پکارا گیا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی بلکہ اس کا سر کچھ اور جھک گیا تھا۔

''مہر ماہ صاحبہ! ذرا سر اٹھا کر اور دیکھئے ہم اتنے بھی ڈراؤنے نہیں'' اس نے پیپسی کا

ایک ٹن اس کی طرف بڑھایا۔

"محترمہ! شاک کی کیفیت سے نکل آیئے" وہ پلیٹ میں اس کے لیے چاول نکال رہا تھا" مجھے دیکھ کر اکثر خواتین حواس کھو بیٹھتی ہیں۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میری پرسنالٹی ہی کچھ ایسی ہے۔ یہ لو کھانا شروع کرو" وہ پلیٹ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھما کر خود صوفے پر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"یہ مجھے اس طرح باتوں سے ٹارچر کرے گا" اس نے اذیت سے سوچا۔ وہ انتقام کا نشانہ بنائی گئی تھی۔

"سنا ہے۔ بہت بہادر ہیں آپ، بڑے سائیں کے سامنے انکار کرنے والی تھیں" لبوں پر دھیمی مسکراہٹ سجائے وہ اس کے سجے سنورے روپ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"ویسے تم ہو کافی خونخوار...... بچ کر رہنا پڑے گا۔ بتاؤ، دوستی چلے گی یا دشمنی" جگر جگر چمکتی نگاہیں مہر ماہ کے آر پار اتر رہی تھیں۔

"دشمن چاہے جس رشتے میں بھی ہو دشمن ہی رہتا ہے" مہر ماہ نے بھرائی آواز میں لبوں کا قفل توڑ ہی دیا تھا میرام شاہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے انٹر کام کا بٹن دبا کر پھر سے اسے دیکھنے کا شغل جاری رکھا۔

"تمہاری آواز اچھی ہے"

"نوازش ہے" وہ کھانے کی ٹرے دھکیل کر کھڑی ہوگئی۔

"ابھی تو صرف آواز کی تعریف کی ہے، جب پوری مہر ماہ کو سراہوں گا تو پھر تو نوازشات کے ڈونگرے برسا دوگی۔ ادھر ڈریسنگ روم ہے اور ساتھ ہی واش روم کا دروازہ ہے" وہ مہر ماہ کو ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے دیکھ کر گویا سمجھ گیا تھا کہ اب وہ مزید دلہناپے کی ایکٹنگ نہیں کر سکتی۔ اسی پل دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"شاہ جی! مکرم ہوں" میرام کے پوچھنے پر باہر سے آواز آئی تھی۔

"آ جاؤ یار" وہ صوفے پر نیم دراز سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

"جی حکم" مکرم مؤدب سا پوچھ رہا تھا۔

"یہ برتن اٹھا کر لے جاؤ اور کھانا فریج میں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بچوں کے لیے لے جانا"

"کچھ اور" وہ مزید ہدایات لینے کے لیے کھڑا تھا۔

"موبائل فون کو بھی چارجنگ پر لگا دو" میرام نے ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"جی بہتر" مکرم نے حکم کی تعمیل کے بعد برتن اٹھائے اور باہر نکل گیا۔ میرام کافی دیر اس کا انتظار کرنے کے بعد ڈریسنگ روم کا دروازہ ناک کرنے لگا۔

"مہرو! سو گئی ہو کیا۔ باہر آؤ پشمینہ کی کال ہے"

"اس وقت فون کیا ہے پشمینہ نے" میرام کی توقع کے عین مطابق وہ فوراً ہی باہر نکل آئی تھی۔

"کہہ رہی تھی اب صبح کال کرے گی" میرام نے سنجیدگی سے جھوٹ بولا۔

"اچھا......" وہ سچ مچ مان گئی۔ پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی "میں خود پوچھ لوں اسے شاید کوئی کام ہوگا"

"اس بے چاری کو اس وقت تم سے بھلا کیا کام ہو سکتا ہے کام تو مجھے ہیں تمہارے ساتھ جو تم سمجھ نہیں رہیں"

میرام شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے دبایا۔ وہ کچھ خوف زدہ سی ہاتھ چھڑانے لگی تھی۔ میرام نے گرفت ذرا اور مضبوط کر لی۔

"آپ کی بہنیں کہاں چلی گئی ہیں؟" وہ اپنے اندر کے خوف کو ختم کرنے کی وجہ سے بے سبب بول رہی تھی۔

"اپنے گھروں میں"

"کیا مطلب، یہ ان کا گھر نہیں ہے" مہرو نے حیرانی سے پوچھا۔

"اوں ہوں...... یہ تمہارا گھر ہے یا پھر محبت کی بیوی کا ہوگا" وہ بیڈ پر تکیہ درست کر کے لیٹ گیا۔

"پھر موہبہ اور رانیہ کیا الگ الگ گھر میں رہتی ہیں؟" مہر ماہ واقعی حیران تھی۔

"بھئی شادی کے بعد اچھی لڑکیاں اپنے شوہروں کے گھروں میں رہنا پسند کرتی ہیں" میرام اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"کیا موہبہ اور رانیہ کی شادی ہو چکی ہے" اس انکشاف پر وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''ہوں'' میرام شاہ اس تکرار سے بے زار ہو رہا تھا اسی لیے مختصر بولا۔

''کس کے ساتھ'' مہر ماہ نے بے ساختہ پوچھا۔ کیونکہ اپنے خاندان میں تو کوئی ان کے جوڑ کا تھا ہی نہیں۔

''انیہ کی شادی ہمارے ماموں زاد زبیر سے ہوئی ہے جبکہ موہبیہ کی خالہ کے بیٹے شازم سے...... اب کیا کھڑے کھڑے انٹرویو لوگی، بیٹھ جاؤ۔ بلکہ لیٹ جاؤ۔ تم بھی تھک چکی ہوگی'' اسے بت بنا بیڈ سے کچھ فاصلے پر کھڑا دیکھ کر میرام نے ایک جھٹکے کے ساتھ اسے بیڈ پر دھکیلا تھا۔ مہر ماہ شرمندہ سی سنبھل کر سیدھی ہوئی۔ پھر تکیہ سیدھا کر کے سمت کر لیٹ گئی۔ میرام بھی دوسری طرف آ کر لیٹ چکا تھا۔

''تو کیا آغا سائیں خاندان سے باہر رشتہ دینے پر رضامند ہو گئے تھے'' مہر ماہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''نہیں، بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا''

''شاہوں کی بیٹیاں غیر خاندان میں چلی گئیں تو کیا واقعی وقت بدل چکا ہے'' اس نے بہت خوشگواری سے سوچا۔

''تمہارا کیا خیال ہے انیہ اور موہبیہ کی شادی نہیں ہونی چاہیے تھی'' میرام نے کروٹ بدل کر اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔ اچانک ہی اسے موقع کی نزاکت کا خیال آیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دراز میں سے ایک مخملیں کیس نکالا۔ یوں ہی لیٹے لیٹے دو کنگن نکال کر اس نے مہر ماہ کی کلائی تھام کر پہنا دیے۔

''یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ...... پسند آیا ہے یا نہیں'' وہ مہر ماہ کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ تو حیران بلکہ ششدر تھی۔ کبھی کلائی میں دمکتے کنگن کو دیکھتی اور کبھی برابر میں لیٹے میرام شاہ کو۔ کس قدر چھا جانے والی شخصیت تھی اس کی، مہر ماہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

''خون بہا میں آنے والی عورتوں کو بستر پر تو جگہ مل جاتی ہے مگر رونمائیوں کے تحفے نہیں دیے جاتے۔ تمہیں اتنی سی بات سمجھانے کے لیے مجھے کتنا وقت درکار ہوگا''

اس نے ہاتھ بڑھا کر مہر ماہ کو اپنی بانہوں کے حلقے میں لے لیا تھا اور وہ لرزتی کانپتی اپنے دل کی دھڑکنوں کو شمار کرنے لگی تھی، جو نجانے کیوں اس پل بغاوت پر اتر آئی تھیں۔

☆☆☆

اس کی ڈیڑھ ماہ بعد محب سے ملاقات ہوئی تھی محب شاہ، اردشیر شاہ کا دوسرا بیٹا تھا، جس کے ساتھ لغونہ کا نصیب جڑتا تھا۔ میرام کے برعکس وہ بہت شوخ طبیعت کا تھا۔

''امریکہ میں مومن، میرام اور میں اکٹھے تھے۔ میرام سی اے کے بعد بینک آف امریکہ میں جاب کرنے لگا تھا پھر نجانے کیا ہوا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آ گیا اب یہاں سٹی بینک میں جاب کرتا ہے'' پشمینہ اور لغونہ اٹھ کر کچن میں گئیں تو محب اس کے پاس بیٹھ گیا۔

وہ دو گھنٹے مسلسل اسے ہنساتا رہا تھا۔ مہر ماہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس قدر ہنسی تھی۔

''آئیے کچن میں چلتے ہیں'' محب مسکراتے ہوئے بھوک بھوک چلاتا ہوا اٹھا تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گئی۔

''کیا بنا رہی ہو؟'' محب نے ایک گرما گرم کباب اٹھا کر منہ میں رکھا۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ہمارے پیچھے کچن میں نہیں آنا بیٹھ کر مہرو کا دماغ چاٹتے ہو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ یہ بہت اچھی سامع ہے قطعاً بور نہیں ہوگی''

پشمینہ نے اسے دوسرا کباب اٹھاتے دیکھ کر گھورا۔ مہر ماہ، پشمینہ اور لغونہ کو مصروف دیکھ کر آٹا گوندھنے لگی تھی۔ پھر اس نے نرم نرم سے پھلکے اتارے ''بہت عرصہ بعد دیسی قسم کا لنچ کروں گا'' کچن سے اٹھتی خوشبوؤں کی مہکار سے محب کی بھوک اور چمک اٹھی تھی۔

''تم ذرا انیہ اور موہبیہ کو تو فون کرو''

مہر ماہ کو ایسی نزاکتوں کا کہاں خیال رہتا تھا۔ پشمینہ کو ہی کہنا پڑا۔ ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا اس کی شادی کو مگر وہ ابھی تک اپنے خول میں سمٹی اجنبیوں کی طرح ہی رہ رہی تھی۔ اکثر سوچوں میں گم ہو جاتی۔ بابا جان اور بی بی اماں نے شادی کے بعد سرسری سا بھی رابطہ نہیں کیا تھا اسے تو اب پتا چلا تھا کہ آناً فاناً بابا جان کی غیر موجودگی میں نکاح کیوں کیا گیا تھا۔ بی بی اماں بھی مجبور تھیں، یقیناً بابا جان نے انہیں سختی سے منع کیا تھا کہ مہر ماہ سے رابطہ نہیں رکھنا۔ یہ باتیں اسے پشمینہ نے بتائی تھیں اور وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی۔ اسے تو ابھی تک بابا جان کی ناراضی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ تو ان کے ناکردہ گناہ کی سزا کے طور پر میرام شاہ کی بیوی بنی تھی پھر ان کی ناراضی اور غصے کی آخر وجہ کیا تھی۔

بڑی حویلی والے قتل کا بدلہ قتل چاہتے تھے خصوصاً ملیحہ کے میکے والوں نے بہت عرصہ تک پنچائیت کے فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا وہ لوگ مہند عباس کو پھانسی کے تختے تک لے جانا

چاہتے تھے مگر نانا جان نے اپنی ازلی روایت کے مطابق مہند عباس کی بیٹی کو باپ کی ڈھال بنا دیا تھا مگر بابا جان نجانے کیوں بغاوت پر اتر آئے تھے ابھی بھی وہ سوچوں میں ایسی گم ہوئی کہ لاؤنج میں سے آتی آوازوں پر دھیان ہی نہیں دیا۔ انیہ نے پیچھے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر چونکا دیا تھا۔

”بھابھی جان! یہ کچن کے کام ابھی سے۔ چلیے باہر، یہاں کام کرنے والے بہت ہیں“

”تم چلو میں ابھی آتی ہوں“ وہ جلدی سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ پشمینہ نے ٹیبل پر کھانا لگا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد نانا جان اور اماں فیضہ بھی آ گئی تھیں۔ مہر ماہ تو اس سرپرائز پر ابھی تک حیران تھی۔

”تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ وہ سب آ رہے ہیں“ وہ پشمینہ سے الجھ پڑی۔

”تمہاری یہ حیران صورت پھر کیسے دیکھنے کو ملتی“ پشمینہ نے اس کے بازو میں چٹکی بھری۔

سب لوگ کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے، جب مہر ماہ چپکے سے اماں فیضہ کے قریب آ بیٹھی۔ انہوں نے شفقت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پوچھا ”میری بیٹی خوش تو ہے۔ میرام اچھا ہے نا؟“

”سر جھکا کر آہستگی سے بولی“ اماں! بی بی اماں اور بابا جان کیسے ہیں؟“

”مرجان تم سے ملنے کو بہت بے قرار ہے مگر......“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔

”مگر کیا؟“ اس نے بے ساختہ پوچھا۔

”مہند کا مزاج بہت برہم ہے اور پہلی مرتبہ شاہ سائیں سے دوبدو جھگڑا کیا ہے اس نے اور نجانے کیوں میرا دل پھر سے بہت بے چین ہے۔ پھر سے کسی اور طوفان کی آمد کے اندیشے مجھے خوف زدہ کر رہے ہیں۔ ہمیں ادھوری خوشیاں ہی ملتی ہیں ہمیشہ“ وہ خود بہت پریشان تھیں۔ ان کی آنکھوں میں خوف کے سائے تھے۔

”اماں! کیا میں کچھ دنوں کے لیے آپ کے ساتھ حویلی نہیں جا سکتی۔“

”ابھی کچھ عرصہ تم یہیں رہو...... جب حالات بہتر ہوئے تو میں خود تمہیں لے جاؤں گی“ انہوں نے نرمی سے اس کے ہاتھ دبائے۔ نو بجے تک انیہ اور موبیہ بھی چلی گئی تھیں، ان سے پہلے نانا جان اور اماں بھی واپس چلے گئے۔ محبّ، پشمینہ اور لغونہ کو لے کر بڑی حویلی روانہ ہو گیا تھا۔ مہر ماہ ایک مرتبہ پھر تنہا رہ گئی۔

میرام پچھلے دو دن سے شہر سے باہر گیا تھا۔ آج رات تک اس نے واپس آ جانا تھا۔

ابھی وہ کچن میں برتن سمیٹ رہی تھی، جب سکینہ نے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔ مہر ماہ کچھ حیران سی ڈرائنگ روم میں آئی تو دو اجنبی خواتین کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

”مجھے آج بھی محب کو روک لینا چاہئے تھا“ وہ تاسف سے کلاک کی طرف دیکھ کر مہمان خواتین کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تم میرام کی بیوی ہو؟“ انتہائی ماڈرن سی سرخ سفید خوشبوؤں میں بسی عورت نے تیکھی نگاہ سے اسے دیکھ کر تلخی سے کہا۔ اس کے ساتھ بہت ماڈرن سی لڑکی بھی بغور اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

”آپ کون ہیں؟“ اس نے شائستگی سے پوچھا۔

”میں میرام کی ممانی ہوں اور یہ میری بیٹی لائبہ ہے۔ میرام کو بلاؤ، مجھے اس سے ضروری کام ہے“ انہوں نے کافی نخوت سے سر جھٹک کر کہا۔

”وہ تو گھر میں نہیں ہیں“

”تم اردشیر کے قتل کے بدلے آئی ہو۔ نجانے ابھی تک وہ جاہل لوگ پرانی رسموں اور رواجوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ورنہ تمہارا میرام کے ساتھ بھلا کیا جوڑ ہے۔ کبھی اپنی معمولی سی شکل آئینے میں دیکھی ہے“ اس عورت کے لہجے میں نامعلوم حسد کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔

”آپ کیا مہرو کو یہی بتانے کے لیے آئی ہیں آنٹی!“ اسی پل میرام دندناتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ آنٹی اور ان کی بیٹی دونوں ہی بری طرح گڑبڑا گئیں۔

”میرام تم کب آئے ہو بیٹا!“ آنٹی کی آواز میں شہد ٹپکنے لگا تھا۔

”جب آپ اپنے خوب صورت خیالات کا اظہار کر رہی تھیں“ وہ ناگواری سے بولا پھر مہر ماہ کو جانے کا اشارہ کر کے آنٹی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ غصے کے عالم میں پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔

”مہر ماہ میری بیوی ہے وہ کسی کے قتل کے بدلے میں نہیں آئی۔ بلکہ میں خود اپنے دل کی رضامندی سے اسے بیوی بنا کر لایا ہوں۔ وہ جیسی بھی ہے، مجھے دل و جان سے قبول ہے اور میں کسی کو مہر ماہ پر انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا“

وہ تلخی سے کہتا خود بھی اٹھ کر چلا گیا تھا اگر مہر ماہ چند پل کے لیے رک جاتی تو اسے اپنے نصیب پر رشک آنے لگتا۔

☆☆☆

''مہرو! آنٹی ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ تم اتنی خوبصورت تو نہیں ہو' وہ آنکھوں میں شرارت لیے آئینے میں اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تو کسی خوبصورت کو لے آنا تھا'' مہر ماہ جل کر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

''میری ویسے بھی آپ کے نزدیک اہمیت ہی کیا ہے۔ دو چار دن بعد آ کر دیکھ لیتے ہیں'' وہ کمرے میں پھیلی چیزیں سمیٹتی ناراضی سے کہنے لگی۔

''یہ تو بہت ہی غلط بات کر رہی ہو۔ بھلا اہمیت کیوں نہیں تمہاری۔ اکلوتی بیوی ہو۔ دل پر پتھر رکھ کر محبت کے ڈائیلاگ بھی دو چار بول ہی دیتا ہوں۔ تمہارے حقوق میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ تمہاری زلفوں کے سائے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ کبھی کام کے بغیر گھر سے باہر رات نہیں گزاری۔ حسین عورتوں کی طرف کبھی نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا'' وہ اسے آنکھ مار کر بالوں میں انگلیاں چلانے لگا تھا۔

''کسی اور کو لے آتا تو تمہارا کیا بنتا تھا مہرو! میں نے تو تمہاری ذات پر بڑا احسان کیا ہے'' میرام کی آنکھ میں شرارت تھی۔

''تو نہ کرتے'' وہ ترشی سے بولی۔

''پھر تم نے مجھے بددعائیں دینا تھیں...... حویلی والوں نے تمہارا چاند سے یا پھر قرآن سے نکاح کر دینا تھا...... میں کیسے تمہاری زندگی تباہ ہوتے دیکھ سکتا تھا'' میرام نے لہجے میں مصنوعی رقت بھر کر کہا۔

''آپ کو مجھ سے اتنی کیوں ہمدردی تھی؟''

''تم نے مستقبل میں میرے بچوں کی اماں جو بننا تھا'' وہ پاؤں جھلاتا مزے سے بولا۔ مہر ماہ قدرے جھینپ کر رخ موڑ گئی۔

اس نے بیڈ شیٹ بدل کر ڈسٹنگ کرنا شروع کر دی تھی۔ میرام نے ناگواری سے اسے دیکھا اور ٹوکا۔

''اس فضول کام سے بہتر ہے کہ تم میرا سر ہی دبا دو۔ ہر وقت ماسی بنی رہتی ہو''

''تو کیا کروں......؟ کوئی اور مصروفیت بھی تو نہیں'' وہ ڈسٹنگ چھوڑ کر میرام کا سر دبانے لگی تھی۔

''تمہاری مصروفیت کے لیے اب کچھ سوچنا پڑے گا'' میرام نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

''کیا؟'' اس نے تعجب سے میرام کی طرف دیکھا۔

''یہی کہ تمہیں ایک چنا منا سا بے بی لا دیتے ہیں''

''آپ بھی نا'' وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''سر تو دبا دو''

''مجھے کام کرنا ہے'' مہر ماہ ایک مرتبہ پھر ڈسٹنگ میں مصروف ہو چکی تھی۔

''اچھا گلا ہی دبا دو''

''لائبہ سے کہیں''

''کیوں؟'' میرام نے حیرانی سے اسے گھورا۔

''وہ یہ کام بہت اچھی طرح کرے گی''

''تمہارے ذہن پر لائبہ کیوں سوار ہوتی جا رہی ہے'' میرام نے اس کا ہاتھ تھام کر زبردستی خدمت کروانا شروع کر دی تھی۔

''رقیب جو ٹھہری'' وہ مسکرائی۔

''بہت بولنے لگ گئی ہو؟'' میرام نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''آپ کی محبت کا اثر ہے''

''بہت چالاک ہوتی جا رہی ہو' اس نے مہر ماہ کے گال پر چٹکی بھری۔ مہر ماہ کا اعتماد انداز اسے اچھا لگ رہا تھا۔

''چالاک نہیں، حاضر جواب کہیں'' وہ برجستہ بولی۔

''تم وہ ہی شاہ سائیں کی حویلی والی مہرو ہو۔ چپ چاپ اور دبو سی'' میرام نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

''نہیں، میں تو میرام کی شاہ کی مہرو ہوں'' وہ ہنسی۔ میرام کے ہونٹوں پر بھی جاندار مسکراہٹ ابھری تھی۔

''تمہارے روپ کی اس دھوپ میں کچھ دیر سستا نہ لوں' اس کا لہجہ مہر ماہ کی قربت کی گرمی اور لمس کی مہک سے بہکنے لگا تھا۔

''مجھے ابھی بہت کام کرنے ہیں'' مہرو نے لاڈ جتایا۔

''ارے، بھاڑ میں ڈالو تمام کاموں کو' اس نے مہرو کو ایک جھٹکے کے ساتھ خود پر گرا کر

زور سے بھینچا۔

''آپ بھی نا میرام! کوئی کام نہیں کرنے دیتے'' اس نے ٹھنک کر کہا۔

''اس سے بھی بڑا کوئی کام ہے'' میرام شاہ کا بہکا بہکا لہجہ محبتوں کے خمار میں ڈوبا ہوا تھا۔اس نے مہر ماہ کو ایسے بازوؤں میں سمیٹا تھا گویا کوئی نازک آبگینہ ہو۔

☆☆☆

میرام کی محبتوں نے اسے اپنا اسیر کر لیا تھا وہ بھول چکی تھی کہ وہ اردشیر شاہ کے قتل کے بدلے میں آئی ہے یا پھر اس کی شادی اس کے باپ کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے اسے تو بس اتنی خبر تھی کہ میرام شاہ اس کی زندگی میں تازہ ہوا کا جھونکا بن کر آیا ہے اور پھر حویلی کی عورتیں کہاں اتنی با نصیب تھیں۔مہرو کو تو اپنی قسمت اور بلند بخت پر رشک آنے لگا تھا اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو کس قدر خوش ہوتی۔

وہ اکثر میرام سے کہتی تھی کہ ''آپ اس قدر خوب صورت ہیں اور میں اتنی عام سی ہوں پھر بھی آپ نے میرے ساتھ شادی کرنے پر شاہ سائیں کو اس قدر مجبور کیا تھا حالانکہ آپکو مجھ سے بہتر لڑکی مل سکتی تھی''

''یہ عام اور خاص کیا ہوتا ہے مجھے تو تم ساری دنیا کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت لگتی ہو''

''آپ نے تو مجھے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا پھر میں آپ کے حافظہ میں کیسے محفوظ رہ گئی؟'' وہ الجھ کر پوچھتی تھی اور میرام مسکرانے لگتا۔

''جب تم بہت چھوٹی تھیں تب ہی تم پر میرے نام کا ٹھپہ لگ گیا تھا۔میری انا اور غیرت کو یہ گوارا نہیں تھا کہ میں تمہیں حویلی کے زندان میں قید کر دوں یا پھر انتظار کی سولی پر لٹکا دوں۔حالانکہ مجھے تو نہیں لگتا کہ کبھی تم نے میرے بارے میں سوچا ہو گا'' وہ یقین سے کہتا تھا مہرو نفی میں سر ہلانے لگتی۔

''میں نے بھی شعور سنبھالتے ہی آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ سن رکھا تھا مگر میں آپ کے بارے میں کبھی سوچنے کی جرأت نہیں کر سکی، میں چاند کی تمنا کرتی بھی کیسے کہ کبھی اس چاند نے شاہ سائیں کی اونچی حویلی کے دریچوں میں جھانکا ہی نہیں تھا'' وہ میٹھی نگاہوں سے اسے پہروں تکتی۔

سردیوں کے آغاز کے ساتھ ہی بخار اور زکام نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔اس کی طبیعت کی خرابی کا سن کر انیہ کچھ دن رہنے کے لیے آ گئی تھی۔مہر ماہ بھی اس کی وجہ سے بہل گئی۔

وہ دونوں ہی سردیوں کی نرم گرم دھوپ کا مزہ لینے کی غرض سے لان میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

انیہ اپنی شادی کے واقعات سنا رہی تھی۔

''ایک بات پوچھوں...... برا تو نہیں مانو گی'' کچھ دیر سوچنے کے بعد مہر ماہ نے آہستگی سے پوچھا۔

''ارے، اس میں اجازت لینے والی کیا بات ہے۔آپ بلا جھجک پوچھ سکتی ہیں''

''تم دونوں کی غیر خاندان میں شادی ہوئی ہے آغا سائیں کا کیا ردعمل تھا۔کیا وہ آسانی سے مان گئے تھے؟''

''نہیں، آغا سائیں تو بمشکل ہی مانے تھے۔اس سب کا کریڈٹ لالہ کو جاتا تھا۔ورنہ میں اور موہبیہ نے تو صدیوں پرانی رسومات کی بھینٹ چڑھ جانا تھا کیونکہ ہمارے بھی جوڑ کا رشتہ خاندان میں نہیں تھا اور آغا سائیں ہمیں گھر بٹھانا منظور کر لیتے اور کسی اور خاندان میں ہرگز نہ جانے دیتے۔نجانے لالہ نے کن دلائل سے آغا سائیں کو منایا تھا شاید بابا کی قسم دے کر۔بابا اور امی دونوں نے ہی ہمارے بچپن میں رشتے طے کر دیے تھے'' انیہ کی آنکھیں ماں باپ کی یاد سے نم ہونے لگیں۔

''ایک اور بات پوچھ لوں؟'' اس نے ایک مرتبہ پھر جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''بولیے نا بھابھی جان! آپ کو ہنستا بولتا دیکھ کر ہمیں کس قدر خوشی ہوتی ہے'' انیہ نے محبت سے اس کے ہاتھ تھامے۔

''میرام شاہ کی زندگی میں کبھی کوئی عورت نہیں رہی، میرا مطلب ہے وہ تو اتنے شاندار ہیں۔ساری زندگی یورپ میں رہے۔کلاس فیلوز، کولیگز'' وہ مزید کچھ پوچھنے سے پہلے ہی خاموش ہو گی۔

''بھابھی! لالہ کا ریکارڈ تو بڑا صاف ستھرا ہے اگر ان کے ماضی میں کوئی عورت ہوتی تو پھر وہ اپنا حال اور مستقبل ہرگز بھی آپ کے ساتھ وابستہ نہ رکھتے۔وہ کچھ معاملوں میں بہت فیئر ہیں یہ مت سمجھیے گا کہ میں ان کی بہن ہوں اور ان کی برائیوں پر بھی پردہ ڈالوں گی مگر میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ لالہ نے کبھی آپ کے علاوہ کسی اور کو نہیں سوچا۔ہم نے تو ہمیشہ آپ کو ہی اپنی بھابھی کے روپ میں دیکھا ہے اس گھر میں چلتے پھرتے۔لالہ اور محب اکثر آپ کا نام لیتے تھے اور لالہ کو اماں فیضہ نے اول روز سے ہی باور کروا دیا تھا کہ آپ ان کی منگیتر ہیں اور انہوں نے کہا

تھا کہ میرام! تمہارے سامنے اک وسیع جہان ہے۔ تمہیں شاید زندگی میں بہت سی چیزیں اچھی لگیں۔ مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ مہر ماہ کو تمہارے علاوہ حویلی میں کوئی اور بیاہنے نہیں آئے گا۔''

پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز کے ساتھ ہی انیہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا خیال ہے لالہ آگئے ہیں۔ میں زبیر کو فون کرتی ہوں تاکہ وہ مجھے لے جائیں''

وہ اپنا پروگرام ترتیب دے رہی تھی، جب میرام بھی لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

''میں آپ کے گھر کیا رہنے کے لیے آئی ہوں۔ آپ تو بہت ہی لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ ذرا کلاک کی طرف دیکھیں۔ گیارہ بجنے میں صرف پچیس منٹ رہ گئے ہیں'' انیہ نے لگے ہاتھوں میرام کی لاپرواہیوں کو جتانا بھی ضروری سمجھا۔

''آج کچھ دیر ہو گئی ہے تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ اپنا پرس اور کپڑوں والا شاپر اٹھا کر لائی تو میرام نے حیرانی سے پوچھا۔

''اپنے گھر''

''اس وقت؟ صبح چلی جانا، بلکہ میں تمہیں آفس جاتے ہوئے ڈراپ کر دوں گا''

''مہربانی آپ جناب کی...... میرے میاں کو کھانے پینے میں دقت کا سامنا ہے۔ آپ خود کیجیے اپنی بیگم کی تیمارداری''

انیہ نے صاف جھنڈی دکھا دی تھی۔ فون تو وہ زبیر کو کر ہی چکی تھی۔ اب اس کے آنے کا انتظار تھا۔

''اگر ابھی جانا ہے تو میں چھوڑ دیتا ہوں۔ تم زبیر کو منع کر دو اور رہی بات تیمارداری کی تو وہ تو ہم جی جان سے کرتے ہیں'' آخری فقرہ وہ مہر ماہ کے کان کے قریب جھک کر بولا تھا۔ وہ سرخ سی رخ موڑ گئی جبکہ انیہ موبائل پر زبیر سے رابطے میں مصروف تھی۔ کچھ دیر بعد زبیر اسے لینے کے لیے آ گیا تھا۔ سو انیہ پھر آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

''آپ کیوں کومے میں چلی گئی ہیں۔ ہوش کی دنیا میں آ جائیے'' میرام نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ گڑبڑا کر اسے دیکھنے لگی۔

''کھانا لگاؤں''

''نہیں صرف دودھ کے دو گلاس لے آؤ'' وہ اپنے بیڈروم کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

''دو گلاس کس کے لیے'' مہر ماہ نے حیرانی سے پوچھا کیونکہ میرام بھی جانتا تھا کہ وہ

دودھ پینا پسند نہیں کرتی۔

''ایک میرا اور دوسرا بھی میرا...... آپ کو کون سی خوش فہمی لاحق ہو گئی کہ میں زبردستی آپ کو دودھ پینے کی افادیت پر لیکچر دے کر پلوانے کی کوشش کروں گا''

وہ رکے بغیر مزے سے بولتا ہوا اندر چلا گیا تھا، جبکہ وہ قدرے جھینپتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی جب وہ گرم دودھ لے کر آئی تو میرام کمپیوٹر پر مصروف تھا۔ وہ کچھ دیر تو ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھی۔

''بات سنیئے'' اس نے دھیمے سے پکارا۔

''جی سنائیے''

''ادھر منہ کریں نا'' میرام کی نگاہیں کمپیوٹر اسکرین پر جمی دیکھ کر وہ جھنجلائی۔

''میں کانوں سے سنتا ہوں''

''پلیز میرام!'' اس نے میرام کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

''سنائیے بلکہ فرمائیے'' میرام کام ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں کچھ دنوں کے لیے حویلی چلی جاؤں''

''کیوں؟'' اس نے بھنویں اچکا کر مہر ماہ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

''ایسے ہی دل گھبرا رہا تھا۔ شادی کے بعد میں ایک دفعہ بھی بی بی اماں سے ملنے نہیں گئی''

''ملنے کی ضرورت بھی نہیں...... تمہارے والد محترم کے مزاج برہم ہیں۔ مجھے ان کی خاموشی سے خطرے کی بو آ رہی ہے'' اس نے سختی سے منع کر دیا۔

''مگر کیوں؟'' وہ تعجب سے بولی۔

''یہ تو تمہیں سوچنا چاہیے تمہارے والد محترم نے اپنی اکلوتی بیٹی کے نکاح میں شمولیت اختیار نہیں کی ہے نا حیرانی پلس تعجب کی بات'' وہ استہزائیہ بولا۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' مہر ماہ کی آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

''جو تم سمجھنا نہیں چاہتیں'' اس کا انداز ہنوز وہی تھا تمسخرانہ۔

''وہ شہر سے باہر گئے تھے اور نانا جان نے اچانک میرے نکاح کی تاریخ فائنل کر دی تھی''

''بہت بھولی ہو تم مہر ماہ! وہ شہر سے باہر تھے ملک سے نہیں۔ ایسی بھی کیا مجبوری تھی کہ وہ اچانک منظر سے غائب ہو گئے'' میرام نے تلخی سے کہا تھا اور ایک دفعہ پھر کمپیوٹر کی طرف

متوجہ ہوگیا۔

''آپ کو میرے بابا جان کے متعلق کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں'' وہ مشتعل سی اٹھ کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن اک عجیب واقعہ رونما ہوا مرجان بی بی بذات خود ڈرائیور کے ہمراہ اسے لینے کے لیے آ گئی تھیں۔ دو ماہ اور بائیس دن بعد انہیں بالآخر مہر ماہ کا خیال آ ہی گیا تھا۔ وہ بی بی اماں کے سینے سے لگ کر کتنی ہی دیر روتی رہی۔

''میرام نے تجھے کیا قید کر رکھا ہے۔ ایک دفعہ بھی ملنے نہیں آئی''

''ایسی تو کوئی بات نہیں' بس مصروفیت'' اس نے وہی مصروفیت کا گھسا پٹا بہانہ بنایا۔

''بس، رہنے دے...... بس جانتی ہوں تو کتنی صابر ہے اور یہ بڑی حویلی والے کس قسم کی سوچ رکھتے ہیں'' انہوں نے تنفر سے کہا۔

''آپ بیٹھئے نا بی اماں'' اسے آداب میزبانی یاد آئے تو سرعت سے بولی۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں، تجھے لینے کے لیے آئی ہوں''

''سچ اماں'' وہ چہک کر بولی۔ اس کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھی۔ جب سے اس کی شادی ہوئی تھی پہلی مرتبہ میکے سے بلاوا آیا تھا۔ اک فطری سی خوشی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''اب جلدی سے تیاری کر...... ہمیں ابھی حویلی جانا ہے''۔

انہوں نے نرمی سے کہا۔ وہ خوشی خوشی اپنے بیڈروم کی طرف بڑھی۔ آدھے گھنٹے میں اس نے تیاری کر لی تھی۔ پھر اچانک اسے میرام سے پوچھنے کا خیال آیا۔ ابھی وہ سیل اٹھانے لگی تھی، جب فون کی بپ بجنے لگی۔

''میرام کالنگ'' موبائل اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

''میں ابھی آپ کو فون کرنے ہی والی تھی۔'' اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

''خیریت'' میرام نے حیرت سے پوچھا۔

''بی بی اماں مجھے لینے کے لیے آئی ہیں'' اس نے خوشی سے بھرپور آواز میں بتایا'' میں ان کے ساتھ چلی جاؤں؟''

''نہیں'' اس نے سختی سے منع کیا تھا۔

''مگر کیوں؟'' مہر ماہ کو بھی غصہ آ گیا۔

''میں مناسب موقع دیکھ کر خود تمہیں لے کر جاؤں گا''

''تو کیا میں بی بی اماں کو انکار کر دوں'' وہ اسی ناگوار لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ہاں''

''میں ایسا نہیں کر سکتی'' مہر ماہ کا انداز دوٹوک تھا۔

''تم گھر سے باہر نکلیں تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا'' وہ غصے سے پھنکارا۔

''میرام آپ......'' مہر ماہ کی آواز صدمے کی شدت سے پھٹ سی گئی تھی۔ اسی پل مرجان بی بی نے اس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ لیا۔

''ہم نے مہر ماہ کو تمہارے ہاتھ بیچا نہیں تھا۔ نکاح کیا تھا تمہارے ساتھ''

مرجان بی بی اشتعال کے عالم میں نجانے کیا کیا بولتی رہیں۔ دوسری طرف وہ بھی بھلا کم تھا کیا۔ مہر ماہ خوف سے کانپتی رہی۔ پھر بی بی اماں نے موبائل زبردستی اس کے کان سے لگایا۔

''اگر یہ میری اجازت کے بغیر اس گھر سے گئی تو نتائج کی ذمہ دار خود ہوگی۔ میں اسے واپس نہیں لاؤں گا'' دوسری طرف وہ غصے سے دھاڑ رہا تھا۔

بی بی اماں نے موبائل اس کے کان سے ہٹا کر آف کیا اور پھر اس کا بازو ہاتھ میں دبوچے باہر کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ گھسٹتی ہوئی ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ دماغ میں گویا سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے گویا تارے ناچ رہے تھے۔ بی بی اماں نے اسے گاڑی میں بٹھایا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر باوجود کوشش کے وہ کچھ بھی بول نہ پائی۔

☆☆☆

اسے حویلی سے آئے سات دن ہو گئے تھے۔ مگر ابھی تک اماں فیضہ یا پھر پشمینہ ان کے پورشن میں نہیں آئی تھیں۔ مہر ماہ کو بہت عجیب اور ناگوار لگا۔ اس نے بی بی اماں سے ذکر کیا تو وہ تنفر سے بولیں۔

''تمہیں کڑھنے کی ضرورت نہیں۔ کھاؤ پیو اور خوش رہو''

انہوں نے تو دو لفظوں میں بات سمیٹ دی تھی مگر مہر ماہ بھلا خوش رہ سکتی تھی۔ ہر گزرتے دن اسے کچھ غلط ہو جانے کا احساس شدت سے ستا رہا تھا کبھی کبھی وہ سوچتی کہ اسے بی بی اماں کے ساتھ نہیں آنا چاہئے تھا۔

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ دل میں وسوسے بھی بڑھ رہے تھے۔ اس دن زیادہ ہی بے چینی بڑھی تو وہ پشمینہ کے پاس خود ہی آگئی۔

''کیسے یاد آگئی ہے ہماری؟'' پشمینہ نے اسے دیکھتے ہی طنز کیا۔

''تم نے بھی تو ملنا گوارا نہیں کیا'' مہر ماہ کے لبوں پر بھی شکوہ مچلنے لگا۔

''ابھی بھی تمہیں یہاں آنے کی بھلا کیا ضرورت تھی'' لغونہ بھی اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کیا میرا تم لوگوں سے تعلق ختم ہوگیا ہے؟ کیا میں یہاں نہیں آسکتی؟'' وہ الجھ کر غصے سے بولی۔

''کم از کم ان دنوں میں نہیں آنا چاہیے تھا تمہیں'' لغونہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''مگر کیوں؟''

''بہت جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔ تمہارے بابا جان اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتے ہیں'' پشمینہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی بتانا پڑا۔

''کیسی بے عزتی؟'' اس کی آنکھوں میں حیرانی اتر آئی۔

''شاہ سائیں نے نکاح کے بعد تمہاری رخصتی کردی تھی، جبکہ تمہارے بابا جان ایسا نہیں چاہتے تھے'' پشمینہ کچھ اور بھی بتانا چاہ رہی تھی مگر وسائی کی آمد نے گفتگو کے سلسلے میں منقطع کردیا تھا۔

''آپ کو مہند سائیں بلا رہے ہیں بی بی!''

''بابا جان آگئے ہیں'' وہ فوراً ہی دوپٹہ درست کرتی وسائی کے پیچھے چلی آئی۔ بابا جان اپنے کمرے میں تھے۔ وہ دروازے پر دستک دے کر اندر چلی آئی۔

''بابا جان! آپ نے بلایا ہے'' مہر ماہ نے جھک کر سلام کرنے کے بعد احترام سے پوچھا۔

''ہوں...... یہاں بیٹھو'' انہوں نے مہر ماہ کے لیے اپنے برابر میں جگہ بنا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مہرو! یہ کچھ پیپرز ہیں ان پر سائن کردو'' بابا جان نے بغیر تمہید کے چند کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھے۔

''یہ کیسے پیپرز ہیں بابا جان'' اس نے بغیر کاغذات پر نظر ڈالے ہاتھ میں پین پکڑ کر

سرسری سا پوچھا۔

''خلع کے کاغذات ہیں'' انہوں نے گویا مہر ماہ کے سر پر آتش فشاں کا پہاڑ پھوڑ دیا تھا۔ وہ ششدر سی ان کے چہرے کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''میں ان کاغذات پر کیسے دستخط کروں بابا جان!'' اس نے خوف کے عالم میں کانپتے ہوئے کہا۔

''تمہیں ان پیپرز پر دستخط کرنے ہوں گے۔ یہ میری عزت کا سوال ہے'' انہوں نے درشت آواز میں کہتے ہوئے پیپرز اس کے سامنے رکھ دیئے۔

''بابا جان! میں ایسا نہیں کرسکتی'' وہ لرزتی آواز میں بولی۔

''اگر تم دستخط نہیں کرو گی تو مجبوراً مجھے میرام سے طلاق کا مطالبہ کرنا پڑے گا میں اردشیر کے بیٹے کو بطور داماد قطعاً برداشت نہیں کرسکتا۔ میں اس سے کلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ بہتر یہی ہے تم سائن کردو۔'' مہند عباس نے سفاکی کی انتہا کردی تھی۔

''یہ باتیں تو پہلے سوچنا چاہئیں تھیں بابا جان! کیا آپ اپنی بیٹی کے ماتھے پر طلاق کا جھومر سجائیں گے۔ ہماری اگلی پچھلی نسلوں میں آج تک کسی نے طلاق کا طوق گلے میں نہیں لٹکایا۔ آپ مجھے زمانے کی نظروں میں بدنما کرنا چاہتے ہیں'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''اگر تم خلع نہیں لینا چاہتیں تو ٹھیک ہے۔ میرام شاہ عنقریب تمہیں طلاق دینے والا ہے'' انہوں نے ایک مرتبہ پھر اس کے سر پر گویا دھماکہ کیا تھا۔

''کیا......؟'' وہ تھرا کر، اپنے باپ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

☆☆☆

''کیا اتنی سی بات کی وجہ سے میرام شاہ مجھے طلاق دے گا کہ میں اس کی اجازت کے بغیر آگئی ہوں'' اس کی آنکھوں سے گویا ساون کی جھڑی لگ گئی تھی۔ اس نے خلع کے پیپرز پر دستخط کردیئے تھے۔ میرام شاہ اسے طلاق دیتا۔ یہ توہین تو اسے کسی صورت گوارا نہیں تھی۔ مگر دل پر بے چینیوں نے حملہ کردیا تھا۔ تمام رات اس کی جاگتے ہوئے اور روتے ہوئے گزر جاتی۔

اماں فضہ، پشمینہ اور شاہ سائیں کیسے چپ چپ سے ایک دوسرے سے نگاہ چرائے پھرتے۔ ان ہی بوجھل اور اداس دنوں میں مومن کی آمد نے گویا ہلچل مچادی تھی۔ اسے یقیناً بابا جان کے ارادوں کی بھنک پہنچ چکی تھی۔ سو اس کا موڈ بہت خوشگوار نہیں تھا۔ اس نے مہر ماہ سے

کلام کرنا ہی گوارا نہیں کیا۔

اس رات بھی وہ بے چینی کے عالم میں ٹہلتی رہی تھی۔ جب بہت دل گھبرایا تو پانی پینے کی غرض سے نیچے چلی آئی۔ جوں ہی وہ کچن سے پانی پینے کے بعد سیڑھیوں کی طرف آئی تو مومن کے زور زور سے بولنے کی آواز نے مہر ماہ کو دہلا دیا۔ ان کی حویلی میں کہاں مرد اس قدر بلند آواز میں بولتے تھے۔ وہ کچھ خوف زدہ سی بابا جان کے کمرے کے دروازے کی طرف آئی۔ اندر سے آتی آوازوں نے مہر ماہ کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی۔ مومن سرد آواز اور زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''ہر کوئی چہرے پڑھنے کے فن سے آشنا نہیں ہوتا اور آپ جیسے لوگوں کے چہرے پڑھنا آسان ہی کہاں ہیں۔ آپ نے تہہ در تہہ خود کو بہت سے پردوں میں چھپا رکھا ہے بابا جان! اور افسوس کی بات یہ ہے کہ میں اس چہرے کے ہر بھید کو جان گیا ہوں۔

شطرنج کی بساط تو قدرت بچھا دیتی ہے اور مہرے ہم لوگ اپنی مرضی سے چلنے لگتے ہیں۔ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ تقدیر ہمارے برابر، ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

ثمر جہاں آپ کی بیوی تھیں نا......! کیوں کی تھی آپ نے اپنے سے نو سال بڑی عورت سے شادی؟

آپ نے اپنی بیک مضبوط کرنے کے لیے ایک صاحب جائیداد عورت سے شادی کی۔ آپ شاہ سائیں کی آدھی جائیداد کے مالک بن گئے تھے۔ حویلی اور اس گاؤں میں آپ کی پوزیشن مضبوط ہوتی چلی گئی تھی۔ آپ نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔ اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ نے اس عورت سے محبت کی یا نہیں۔ اس بے جوڑ ساتھ کو اچھی طرح نبھایا یا نہیں۔ آپ صاحب اولاد بھی ہو گئے آپ کو ایک وارث بھی خوش نصیبی سے مل گیا۔ میرے لیے آپ کے دل میں بہت گنجائش تھی بابا جان! مگر مہر ماہ کا کیا قصور تھا۔ کیا وہ آپ کی اولاد نہیں تھی؟ وہ ثمر جہاں جس سے آپ نے نکاح تو کر لیا تھا مگر لیکن دل سے قبول نہیں کیا۔ آپ نے دل میں کسی اور کو اور گھر میں کسی اور کو بسایا آپ کی بے اعتنائیوں کے درد اور اذیت نے بہت جلد میری ماں کو تھکا ڈالا۔

یہاں پر بھی آپ کے حصے میں خسارہ نہیں آیا۔ آپ کو بی بی اماں جیسی بے لوث چاہنے والی شریک حیات کا ایک دفعہ پھر ساتھ مل گیا۔ آپ اپنی زندگی میں ہر بازی کو اچھی طرح جیتتے رہے ہیں۔ آپ نے میری منگنی اپنے دل کی رضا مندی سے پشمینہ کے ساتھ کر دی۔ اس

میں بھی آپ کا نقصان نہیں تھا۔ صباد ماما کی آدھی جائیداد بھی آپ کے حصے میں آنے والی تھی۔

''مہر ماہ میری احمق اور بہت ہی بے عقل، نا سمجھ بہن۔ جس کی طنابیں آپ کے ہاتھ میں تھیں''

''خاموش ہو جاؤ مومن'' بابا جان نے نہایت مشتعل ہو کر مومن کو چپ کروانا چاہا۔

مومن ایک مرتبہ پھر پھٹ پڑا تھا۔

''مجھے بولنے دیجیے بابا جان! ورنہ میرے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی'' وہ غصے سے چنگھاڑتے ہوئے بولتا رہا۔

''خون بہا میں آغا شاہ سبطین اپنی بہو اور بیٹے کا خون آپ کو معاف کر چکے تھے۔ شاہ سائیں کے لاکر میں وہ معافی نامہ ابھی تک محفوظ پڑا ہے۔

پھر آپ نے میرام شاہ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیوں ہونے دیا؟ آپ کیوں نکاح سے پہلے منظر سے ہٹ گئے تھے۔ حالانکہ آپ کی بیٹی بقول آپ سب کے خون بہا میں جا رہی تھی۔ وہ اپنے باپ کے جرم کے بدلے میں جا رہی تھی'' وہ ایک مرتبہ پھر بولنا چاہتے تھے جب مومن نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

''آپ صرف اور صرف مہر ماہ کی حصے کی جاداد بھی لکھوانا چاہتے تھے جو کہ نکاح سے پہلے آپ کو ملنے والی نہیں تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ بغیر رخصتی کے میرام شاہ سے طلاق لے لی جائے گی مگر ایسا ہوا نہیں۔ مگر آپ کا منصوبہ اس وقت بگڑنے لگا جب شاہ سائیں نے مہر ماہ کی رخصتی بھی کر دی۔ نہ صرف میرام بلکہ شاہ سائیں بھی کچھ کچھ آپ کے ارادوں سے باخبر ہو گئے تھے۔ سو انہوں نے میرام کے کہنے پر رخصتی کر دی تھی۔ یہاں پر آپ کی زخمی انا بلبلا اٹھی۔

پھر آپ نے ایک مرتبہ اور غور و فکر کے بعد مہر ماہ کو طلاق دلوانے کے بارے میں فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ کیونکہ آپ اردشیر کے بیٹے سے اپنی بیٹی کا نام جڑا نہیں دیکھ سکتے تھے اور دوسرا شاہ سائیں نے مہر ماہ کے حق میں مہر میں میرام شاہ سے سبز پہاڑوں والی زمین بھی نہیں لکھوائی تھی۔ اور آپ کی فرمانبردار بیٹی نے آپ کے تمام منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک آخر پہنچا ہی دیا ہے۔ اس بے عقل نے خلع کے پیپرز پر دستخط کر دیئے ہیں اور میں آپ کے سامنے یہ پیپرز پھاڑنے لگا ہوں۔ اگر بی بی اماں مجھے بروقت باخبر نہ کرتیں تو نجانے کتنی زندگیاں تباہ ہو جاتیں اور پھر میں نے آپ کو زندگی کی سانس تک معاف نہیں کرنا تھا بابا جان!''

مومن کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا تو وہ رخ موڑ کر بابا جان کے زرد اور پسینے سے شرابور چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ درد کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے اپنا سینہ مسل رہے تھے۔

ان کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کے روبرو اتنی تلخ اور سفاک سچائیوں کا سامنا نہیں کر پائے تھے۔

''بابا جان! آپ ٹھیک تو ہیں'' وہ گھبرا کر ان کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''میں ٹھیک نہیں ہوں...... اور مجھے ٹھیک ہو کر کرنا بھی کیا ہے۔ احمد آباد سے لے کر حسین نگر تک کی ساری جائیداد اکٹھی کر کے مجھے آخر ملنا ہی کیا تھا۔ ٹھیک ہے میں کچھ معاملوں میں خودغرض رہا ہوں مگر...... کیا تم لوگوں نے مجھے اس قدر لالچی اور کمینہ سمجھ رکھا ہے...... مگر ایک بات تم نے ٹھیک کہی ہے میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نہ اچھا شوہر بن سکا نہ اچھا باپ میری زندگی میں دو عورتیں بیوی کے عہدے پر فائز رہیں دونوں نے مجھ سے عشق کی انتہا تک محبت کی تھی۔ مگر میں...... ان دونوں کے ساتھ ہی مخلص نہیں رہا۔ ان دونوں نے ہی مجھے پوجنے کی حد تک چاہا اور میں ایک ...... قبر کی پرستش کرتا رہا ہوں تمام عمر...... اب عمر کی پونجی بھی لٹنے کے قریب ہے اور میں تم سے مہر ماہ سے معافی مانگتا ہوں میں واقعی، بہت خودغرض باپ ہوں۔ تم نے سچ ہی کہا ہے میں بہت برا ہوں، بہت برا''

ان کے ٹوٹے الفاظ لبوں سے بکھر رہے تھے۔ مومن دونوں ہاتھوں سے ان کا سینہ مسلتے ہوئے بی بی اماں کو آوازیں دینے لگا۔ اور بند دروازے کے باہر کھڑی مہر ماہ نہ جانے کب بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

''کیا ہوا ہے مہند عباس کو؟'' بی بی اماں کی لرزتی آواز حویلی کی دیواروں سے ٹکرانے لگی۔

''بی بی اماں! بابا جان'' مومن نے روتے ہوئے ان کے زانوں پر سر رکھ کر لبوں سے گویا صور پھونکا تھا اور مرجان بی بی بھی دل پر ہاتھ رکھے ٹھنڈے فرش پر بیٹھتی چلی گئیں۔ ان کی سانسوں کی ڈور بھی تو مہند عباس کے ساتھ بندھی تھی اور یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ان کے بغیر ایک بھی سانس لے سکتیں۔

صہیبر نے جھک کر پستول اٹھایا تھا اور پھر سیدھا اپنے دل کا نشانہ لے لیا۔ اردشیر لالہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا ارادہ بھانپ کر صہیبر کے قریب لپک کر آئے۔ وہ ہر صورت اس

کے ہاتھ سے پستول چھین لینا چاہتے تھے۔ اسی اثناء میں وہ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ لالہ کا ہاتھ پستول کے اوپر تھا جبکہ صہیبر کی انگلی ٹریگر پر...... صرف لمحوں کا کھیل تھا اور صہیبر نے گولی چلا دی اور صرف چند ہی سیکنڈوں میں اس کا خون سے لت پت وجود زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

یہ وہی وقت تھا جب مہند نے ڈیرے کی حدود میں قدم رکھا۔ اس نے خود اپنی آنکھوں سے صہیبر کو زمین پر گرتے دیکھا تھا اور لالہ کے انسانی خون سے رنگے ہاتھ ان کے جرم کے گواہ بن گئے۔ لالہ، جرگے کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتے رہے۔ جرگے نے بھی لالہ کے حق میں فیصلہ سنا دیا تھا۔ یعنی انہوں نے صہیبر کی خودکشی کو تسلیم کر لیا۔ مگر مہند اپنے دل کو کیسے سمجھاتا۔ اس کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے نزدیک وہ جھوٹ کیسے ہو سکتا تھا اور پھر تائی جی ثریا جہاں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھوا کر مہند سے قسم لی تھی کہ وہ صہیبر کے قاتل کو مارنے کی قسم کھائے۔ مہند نے اس قسم کی لاج نہیں رکھی تھی۔

بات تو کچھ اور تھی۔ تمہیں آج ان سب حقیقتوں کے بارے میں اس لیے بتا رہی ہوں کہ کل پھر کوئی نادانی نہ کر لینا۔ اپنی خوشیوں کو اپنے ہاتھ سے آگ مت لگانا بیٹی! ہم نے پہلے ہی بہت سے صدمات جھیلے ہیں۔ اب اپنے بچوں کا کوئی غم سہنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے''

اماں فضہ نے اس کے سر پر بوسہ دے کر نرمی سے کہا تھا اور مہر ماہ آنسو پونچھتی بے چینی سے بولی۔

''بتائیے نا اماں! آپ خاموش کیوں ہو گئی ہیں''

''ثمر آپا نے جو تحریر رکھی کے ہاتھ لالہ کو بھجوائی تھی اس کے متعلق مہند کو بھی خبر ہو چکی تھی۔ وہ حیران تھا کہ اردشیر جیسے بندے کو ثمر جہاں نے آخر کیوں ریجیکٹ کیا ہے پھر اسے جلد ہی وجہ معلوم ہو گئی تھی اور یہ راز مہند کے سینے میں بھی دفن ہو گیا تھا۔ اس نے بھی کبھی ثمر آپا کو جتانے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے زینب کی محبت کو بھی کسی مقدس راز کی طرح دل میں محفوظ کر رکھا تھا۔ وہ اس بات سے ناواقف تھا کہ محبت تو خوشبو کی مانند ہوتی ہے اور مہند کی محبت کی مہک کچھ لوگوں تک پہنچ بھی چکی تھی جن میں مرجان بی بی اور ثمر آپا بھی شامل تھیں۔

جب زینب نے خودکشی کی، تب مہند کے ذہن میں صرف ایک بات زندہ رہی تھی اور وہ بات یہ تھی کہ اردشیر، ثمر جہاں کے ریجیکٹ کرنے کا بدلہ زینب اور صہیبر سے لینا چاہتا ہے۔ مہند کو گویا کامل یقین تھا کہ زینب کو بھی زہر دے کر مارا گیا ہے اور پھر صہیبر کو بھی لالہ

نے ہی قتل کیا ہے۔ شاید اس کے گمان میں یہ تھا کہ لالہ، زینب کو مجبور کرتے ہوں گے کہ وہ صہیر کو بھی اسی طرح ریجیکٹ کرے جیسا کہ صہیر کی بہن نے انہیں کیا تھا۔ اگرچہ حقیقت اس کے برعکس تھی زینب کی موت کے بعد میں نے ایک دن بھی مہمند کو پرسکون نہیں دیکھا۔ وہ بہت کم کم زنان خانے آتا تھا۔ وہ بہت چپ چاپ رہنے لگا تھا۔ میں نے پوری زندگی اس حویلی کی چار دیواری میں گزار دی ہے مگر میں نے کبھی بھی مہمند کے لبوں پر سچی مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ زینب کی محبت نے اس کے دل کو ایسی دیمک لگا دی تھی کہ پھر مہمند کو کوئی رنگ زندگی میں نظر ہی نہیں آیا۔

میں تمہیں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ لالہ کی گاڑی کا مہمند کی جیپ کے ساتھ شدید ایکسیڈنٹ بھی مہمند کے اسی جنون کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ اپنے تئیں زینب کے قاتل کو مٹا ڈالنا چاہتا تھا۔ اس ایکسیڈنٹ میں مہمند نے اپنی جان کی بھی پروانہیں کی تھی۔ لالہ کی گاڑی اگر کھائی میں گری تھی تو مہمند کی جیپ بھی پہاڑ سے لڑھکتی ہوئی دریا میں گر گئی تھی۔ مگر مہمند معجزاتی طور پر بچ گیا تھا، جبکہ لالہ اور بھابھی کا وقت آخر آ چکا تھا۔

جرگے نے پرانی رنجشوں کے تحت فیصلہ سنایا تھا کہ یا تو مہمند کو قتل کیا جائے یا قصاص اور خون بہا میں اس کی بیٹی کو بڑی حویلی والوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مگر میرے آغا سائیں نے راضی نامے کے کاغذوں پر دستخط کر دیئے تھے۔

اور میں تمہیں یہ بھی بتانا چاہوں گی کہ تمہیں کسی کے قتل کے جرم میں میرام بیاہ کر نہیں لے گیا۔ وہ تو برسوں پرانی دشمنی کا خاتمہ چاہتا تھا اور یہی میری دلی آرزو تھی کہ تمہاری شادی میرام سے ہو جائے۔ میں اپنی بیٹیوں کی خوشیوں کو سلامت دیکھنا چاہتی تھی پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ثمر آپا کی بیٹی حویلی کی دیواروں سے تمام عمر سر پٹختی رہ جائے۔

میں نے شاہ سائیں سے چوری چھپے میرام سے رابطہ رکھا تھا۔ میں اکثر اسے فون بھی کر لیتی تھی اور میں اپنے اللہ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں نے میرام کی سوچ کبھی بھٹکنے نہیں دی تھی۔ اور میرے بھتیجے نے میری محبتوں اور خالص جذبوں کی لاج رکھ لی تھی۔ وہ تم سے خفا ضرور ہے۔ مگر یہ خفگی تمہاری پہل سے خود بخود ختم ہو جائے گی۔ چلو اٹھو تیاری کرو۔ میں اور مومن خود تمہیں میرام کے حوالے کر کے آئیں گے اور بیٹا! مرجان بی بی بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی کہ تم پر شاہ سائیں نے ظلم ڈھایا ہے۔ زیادتی کی ہے۔ شاید وہ اسی لیے زبردستی تمہیں اپنے ساتھ لے کر آئی تھی مگر جب اسے مہمند کے ارادے کی خبر ہوئی تو پھر اس نے مومن کو فوراً ہی مطلع کر دیا تھا ہم

سب ہی کسی نہ کسی غلط فہمی کا شکار اپنے اوپر زندگی کے کھلے کواڑوں کو بند کرتے رہے ہیں۔ ہم نے خود اپنے لیے آگ خریدی تھی اور پھر اس آگ میں بھڑ بھڑ جلتے رہے"

اماں فضہ نے اپنی نم آنکھوں کو پونچھا تھا اور پھر مہر ماہ کی طرف دیکھنے لگی جس کے سانولے معصوم سے چہرے پر بہت دنوں کے بعد روشنی سی پھوٹنے لگی تھی۔ انہوں نے محبت سے اس کی آنکھوں کو چوما اور بولیں۔

"اٹھو بیٹی! دیر مت کرو"

اور وہ لبوں پر مسکان سجائے "جی بہتر" کہتے ہوا اپنا سامان باندھنے کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔ اماں فضہ نے اٹھ کر بھاری کھڑکیوں کے سارے پٹ کھول دیئے۔ کچھ فاصلے پر مائی اماں کے مزار کا سفید گنبد نظر آ رہا تھا۔ مزار کے احاطے میں اڑتی پڑتی نظر درخت کی چھاؤں کے اردگرد بھٹکنے لگی۔ ام زینب کی قبر پر کسی نے چراغ روشن نہیں کیا تھا کیونکہ اس کی تربت پر ہمیشہ دیا جلانے والا مہمند عباس بھی مائی اماں کے مزار کے احاطے میں گہری نیند سو رہا تھا۔

ایک چراغ بجھ گیا تھا۔ ایک قندیل روشن تھی۔ انہوں نے میرام شاہ اور مہر ماہ کے دلوں میں جلنے والی چاہتوں کی شمع کو ہمیشہ کیلئے بجھنے سے بچا لیا تھا اور پھر محبتوں کے چراغ تو ہمیشہ جلتے ہی رہتے ہیں۔ کوئی زندہ رہے یا نہ رہے۔

Digest Novels Lovers Group ❤❤